نتھ کی عزّت

ناول

واجدہ تبسّم

مکتبۂ اردو ادب لاہور

ایک طوائف کے محبت بھرے دل کا ناول

نتھ کی عزت

واجدہ تبسم

مکتبہ اردو ادب

بازار ستھاں اندرون لوہاری گیٹ، لاہور

ناشر ——— سرفراز احمد
مطبع ——— زاہد بشیر پریس لاہور
قیمت ——— پندرہ روپے

قصاص

"اللہ کا نام لو بی بی، کیوں ہاتھ پیر پھیلائے دیتی ہو۔ کہہ تو دیا شام تک سارا کام آن پورا ہو جائے گا۔" نصیبن بی بھٹیارن نے لہسن چھیلتے میں ذرا اُلجھ کر جواب دیا۔

"لو اَیں کب نئیں بولی کہ نئیں ہوئیں گا۔ پر یہ تمہارے سنگات کی چھوکریاں کو دیکھو فدا۔ کچھ فکر اچ نئیں۔ کیسے گھوم لے رئیں ——" بڑی ماما بولی —— پھول دار چھینٹ کے گھیردار لہنگے پھڑکاتی بُوا کے ساتھ کی ساری چھوکریاں اِدھر اُدھر لولائی بولائی سی پھر رہی تھیں —— بُوا نے اطمینان سے انہیں دیکھا اور بولیں:

"ماما بی، تم فکر نہ کرو —— میں نے کہہ دیا نا وقت پر ہر کام پورا ہو جائے گا انشاءاللہ یہ سب کام ہی کے سلسلے میں دوڑ دھوپ کر رہی ہیں۔"

"بریانی کے واسطے پیاز کٹ گئی؟"

"کٹ چکی۔"

"ہورشاہی ٹکڑوں کے میوے تلے گئے؟"

"یہ مرحلہ بھی طے ہوا"

"ہور راتتے کے بینگن کاٹ کر نمک کے پانی میں چھوڑے کی نیئں ؟"

"رائتہ تیار ہو بھی گیا اور برف کی لگن میں رکھ بھی دیا گیا"

"ہور خورمہ کے . . ." اب نصیبن بُوا کا پارہ چڑھ گیا۔

"ماماجی ـــــ ایسی ہی بڑی منتظم آپ تھیں تو ہم پھوہڑ خواتین کیوں بُلوائی گئیں ؟"

"ہم رنڈیوں کے واسطے کھانا نئیں پکاتے ہوں گے۔ ہم خالی بی بی ہور پاشا لوگاں کا کھانا پکاتے ـــــ ان کے مرد مہمانوں کا بھی کھانا پکاتے، پر ہم شریف غریب لوگاں ہیں ایسے ولیسوں کا کھانا ہم نہیں پکاتے ـــــ" نصیبن بُوا نے غصہ پی کر ذرا دلچسپی سے پوچھا

"تو کیا آج پہلی بار محل میں طوائفیں ناچ رہی ہیں ؟ یہ تو سدا سے ہوتا ہی آیا ہوگا"

"ہوتا تو آیا برسوں سے ـــــ ہور جب جب بھی باہر سے رنڈیاں ناچنے گانے کو آتے، بھٹیالے بلائے گئے ـــــ پر یہ جو آج ناچنے گانے کو ماں بیٹی آریئے اُنوں لوگاں ہمارے کو ہور ہمارے ساتھ والے لوگاں کو دتی والی بھٹیارنوں کے ہاتھ کا کھانا ہوتا"

"یہ کس خوشی میں ؟" بُوا نے ذرا مسکرا کر پوچھا۔

"وہ ایسا بول بھیجائے کی ہم کو ایچ عورتاں کے پکوان کی عادت ہے نئیں تو گلا خراب ہو جاتا ـــــ"

نصیبن بُوا کے ساتھ کی ساری لڑکیاں بالیاں مارے تجسس کے آس پاس آکھڑی ہوتی تھیں۔

"اے ہے لُطف رہے گا نا ـــــ" ایک سرگوشی میں دوسری کو ٹھوکا دے کر بولی۔

"ہائے سچ ! جلدی جلدی کام نپٹا لیں ـــــ ناچ گانا نہ ہو تب بھی ایسی عورتوں کو تو صرف دیکھنے ہی میں کتنا مزا آتا ہے ـــــ ہے نا ؟"

نصیبن بُوا نے گھور کر لڑکیوں کو دیکھا ـــــ لہسن کے جوے پر سارا غصہ اتار کر

ماما بی سے بولیں۔

"یہ نواب صاحبان طوائفیں کیوں نچواتے ہیں؟"

ماما بی نے ناک پر انگلی رکھ کر ذرا اچنبھے سے دیکھا اور بولیں۔

"اُنوں کو اچھا لگتا۔"

محل کے باورچی خانے سے اوپر کے کام والی دو چار عورتیں بھی اپنے اپنے کام نپٹا کر دوپٹے سے ہاتھ پونچھتی اس محفل میں آکر بیٹھ گئی تھیں۔ سکینہ بی مسکرا کر بولی۔

"اچھا تو لگتا ——— اس واسطے ناچ نچواتے گو، پن اس وخت تو دوسری ناچ بات ہے۔" سب اس کا موہنہ دیکھنے لگیں تو وہ ہنس ہنس کر سنانے لگی:

"اگلے نواب صاحب کی شادی ہونے والی ہے کی نئیں اس واسطے اُنوں ایک نایک زنڈی کو محل میں ناچ بُلا بُلا کو، نچا نچا کو، گا گا کو پرکھ رئیں کی جو سب سے اچھا ناچیں گی گائیں گی، اُس کو بارات والے دن بڑی محفل میں نچوائیں گے ———" نصیبن بوا نے اُچک کر اپنے آس پاس کھڑی عورتوں اور لڑکیوں کو دیکھا۔ ان میں کنواری بھی تھیں۔ بگڑ کر بولیں:

"اری روشن، تم یہاں کھڑی کیا موہنہ تکے جا رہی ہو۔ جاؤ اصغری تم اور دو چار جنے مِل کر تندور دہکاؤ۔"

اصغری نے موہنہ بنا کر روشن کو دیکھا۔

"ایسی اچھی اچھی باتیں ہوری ہوں تو ہمیں یونہی بھگا دیا جاتا ہے بوموہنہ۔ چلو آؤ۔" کچھ کھسکیں، کچھ وہیں کھڑی رہیں۔ سکینہ بوا کا بیان جاری تھا۔

"یہ آج بجی بولیتوں کو تی گیارھویں بارھویں ناچن آنے والی ہے۔ سرکار کو ابھی تک کوئی پسند ناچ نئیں آئی۔"

"جو ناکام ہو کر جاتی ہوں گی ان بے چاریوں کا دل ٹوٹ نہ جاتا ہوگا۔" نصیبن بوا دکھ سے بولیں۔

"دل کائے کو دُکھیں گا۔ اگے نہیں کبھی پسند کرے تو سرکار اتا دھن دولت، زیور دیتے کی پُوری زندگی بیٹھ کو کھانا، پر ختم نہیں ہوتا۔"

"پھر بھی!" نصیبن بُوا بس اتنا ہی بول کر رہ گئیں۔

"پھر بھی کیا پھر بھی۔ ہور کیا وہ راتاں ایک ہی برس کر کے تھوڑی رہتیں۔ اگے اِن کا تو دھندا اچ یہ ہے۔ ایک پکڑا، ایک چھوڑا، میں اچ ساری زندگی گزر جاتی بول کے" بڑے لوگاں کی بڑی باتیں"

بُوا ایک ٹھنڈی سانس بھر کر بولیں: "خدا بخشے دادی مرحوم بھی دلی کے امرا کی ایسی ہی سُناتی تھیں۔"

"اے کچھ نہیں بٹیا۔ پیشے الگ الگ ہیں لیکن بات ایک ہی ہے" انہوں نے گرم ہوتے ہوئے تندور کی طرف دیکھ کر دُکھ سے کہا "اس کم بخت پیٹ کی آگ بجھانے کو اس تندور کو دہکانا ہی پڑتا ہے۔"

سکینہ بی ذرا چڑ کر بولیں: "اِتّی تنّا اُنے اچار ماریوں کے ساتھ کاتے کو اتی ہمدردی جی۔ موئی پلید راتاں۔ ہزار مرد ئے چھوڑ کر بیٹھتیاں، اس واسطے تو ہم لوگاں کبھی رنڈیوں کے واسطے کھانا نہیں پکاتے۔"

کھانے کا نام سن کرتے سرے سے ماما بی کو فکرنے آگھیرا۔

"ائی میں تو چلیتوں اب۔ مگر دیکھنا کھانا مغرب تک پُورا تیار ہو جانا نئیں۔ بڑے سرکار خود آکر میرے کو جتا گئے تھے۔ بی بی لوگاں تو ایسے موقعوں پر دخل نہیں دیتے۔ ہور دخل دُنیا بھی نئیں چاہتے۔ شریف عورتاں کائے کو رنڈیاں بھنڈیوں کے کاماں میں دخل دیں گے۔ اِتّا برداشت کرلیتے اچ سو غنیمت ہے کی ناچنے گانے والیاں آتے پن کچھ نئیں بولتے ــــــ شریف بیبیاں مردوں کے باتاں میں بولنا بھی نئیں کچھ۔" وہ اپنا سفید سر ہلاتی، بک جھک کرتی زنان خانے کو ہولیں اور ساری لڑکیاں کھرا مار کر

بندیوں اور بیل گاڑیوں کی طرف لپک پڑیں جن پر لد کر شامیانے اور سجاوٹ کا سامان آیا تھا۔ جس دن طوائفیں آنے والی ہوتیں، زنان خانہ سنسان و ویران پڑ جاتا۔ ساری رونق سمٹ کر دالانے میں اکٹھی ہو جاتی۔ بیبیوں کا دستور تھا وہ اپنے برتنوں اور باورچی خانوں میں کبھی بازاری عورتوں کا پکوان نہ پکنے دیتیں ـــــ اس دن طوائفوں، سازندوں اور ان کے ساتھ والوں کا کھانا باہر مردانے آنگنوں میں بڑے بڑے چولہے اور تندور لگا کر پکوایا جاتا۔ اس دن محل کے مردوں کا کھانا بھی باہری پکتا ـــــ شہر کے مشہور بھٹیارے بلوائے جاتے۔ اور شادی کا سا سماں بندھ جاتا۔ "شوکت محل" میں طوائفوں کا آنا کوئی نئی بات نہ تھی۔ لیکن ان دنوں کچھ زیادہ ہی دھوم دھام تھی ـــــ نواب شوکت یار جنگ کی اپنی شادی ہونے والی تھی، اور وہ جانتے تھے کہ سارا حیدرآباد دکن ہی اس شادی میں اُمنڈ پڑے گا۔ ہر اعلیٰ سے اعلیٰ انتظام کے باوجود ناچ رنگ اور مجرے کا بھی اپنا ایک مخصوص معیار ہو۔ باپ کا سایہ سر سے اٹھ چکا تھا۔ جو بھی کرنا تھا خود ہی کو کرنا تھا ـــــ ویسے شادی کے اور انتظامات تو اماں حضور کر رہی تھیں۔ لیکن یہ مخصوص شعبہ ان کے اپنے سپرد تھا۔ اس سلسلے میں ایک سے ایک طرح دار طوائف جو گانے میں بھی اپنی مثال اور ناچنے میں بھی اپنی مثال آپ ہوتی آتی رہی، بلائی جاتی رہی اور دھتکاری جاتی رہی۔

"کیا حیدرآباد میں اچھی نامور اور باکمال طوائف کا کال پڑ گیا" وہ اپنے آپ سے پوچھتے ـــــ وہ بہت چھوٹے سے تھے، لیکن اچھی طرح یاد تھا کہ ان کے دادا کے زمانے میں اسی "شوکت محل" میں کیسی کیسی چھیل چھبیلی لڑکیاں آیا کرتی تھیں اور سنگ مرمر جڑے بڑے گلابی محل میں مرغابیوں کی طرح تیرتی پھرتی تھیں ـــــ وہ اتنے چھوٹے تھے کہ ٹھیک سے سمجھ نہ پاتے کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ لیکن دماغ کے پردے پر وہ صورتیں کبھی نہ مٹنے کے لئے محفوظ اور نقش ہوتی گئیں۔ پھر جیسے جیسے بڑے ہوتے گئے سمجھ آتی گئی ـــــ لیکن اب جبکہ وہ خود بھرپور جوان تھے، وہ طرح دار رقاصائیں اور کوئلیں تو خود بھی بڑھیا ہو چکی ہوں گی،

لیکن شوکت جو اس قدر سخی اور فراخ دل ہے اُس نے اپنے خزانے بند تو نہیں کر دیئے ہوں گے! وہ ابھی خوب سے خوب تر کی تلاش میں آئے دن محفلیں سجاتے تھے —— اُن کے ہرکارے ڈھونڈ ڈھونڈ کر خبریں اور پتے لا رہے تھے۔

آج کا قرعۂ فال چوک کی ایک نسبتاً گمنام اور کم معروف گانے والی زمانی بیگم اور ان کی بیٹی کے نام پڑا تھا۔

"سرکار اب شادی کی تاریخ ہو رہ آگے بڑھانے کی نوبت نہیں آئیں گی۔"

چھندو میاں دوہرے ہو کر بولے "سرکار خالی بات کرنے میں آواز کی مٹھاس کا وہ حال ہے کہ جیسے کانوں میں شہد اُنڈیل رہا ہو تو آپ سوچئے گانے میں کیا کچھ نہیں مٹھاس ہوئیں گی۔ بعد سرکار صورت تو آپ خود ہی دیکھ لیں۔"

"کس کی، ماں کی یا بیٹی کی؟" نواب شوکت ذرا مسکرا کر بولے ——

"نہیں سرکار بیٹی کی صورت بولتوں۔ ماں کا کیا ہے، بھئی سو سلیم شاہی جوتی۔"

آواز جس کے بارے میں چھندو میاں نے شہد کی مثال دی تھی، وہ تو ابھی نواب شوکت نے نہیں سنی تھی لیکن چہرہ، چہرہ ان کی آنکھوں کے سامنے تھا اور دُنیا کی ہر مثال، ہر تشبیہ "اوں ہوں" کہہ کر گویا لغت کی کھوج میں آگے دھکیل دیتی تھی۔

شرم سے اُترتے ہوئے اس نے دو ٹکیوں سے اپنا زرتار غرارہ تھاما ہوا تھا انگلیوں میں جھومتے ہیرے موتی جڑی انگوٹھیاں جھلملا رہی تھیں کلائیوں تک لمبی آستینوں کا کامدار کرتا تھا۔ اس سے اوپر کائنات کو تہہ و بالا کر دینے والا چہرہ تھا —— اس روشن چہرے پر ایک چھوٹی سی تیکھی ناک تھی جو جانے کتنی اونچی ناکوں کو جھکا دینے کا عزم کئے ہوئے تھی —— ایک چھوٹی سی تھنی اس گلابی ناک کے ایک رہ رہ کر پھڑکتے نتھنے میں نفاست سے پروئی ہوئی تھی۔ اس سے لگے ہوئے دو بے صبح رخسار بھی ہوں گے۔ ان سے

سوا وہ کچھ نہ کہتے ہوئے بھی ایک داستان کہہ دینے والے ہونٹ بھی ہوں گے ـــــ اور اسی چہرے پر اچھے بھلے انسان کو پاگل کر دینے والی دو جگمگاتی ہوئی ہلکی نیلی سی آنکھیں۔ کبھی ستاروں کی طرح جڑی ہوئی ہوں گی۔ ہوں گی ـــــ ضرور ہوں گی۔ لیکن نواب شوکت نے یہ سب کچھ نہیں دیکھا۔ اس لئے کہ اس ننھی سی تتلی والی گلابی ناک نے ہی اُن کی دُنیا بھلا دی تھی ـــــ

لڑکیاں اتنی حسین بھی ہو سکتی ہیں ـــــ نہ پہلے کبھی انہوں نے سوچا تھا نہ دیکھا تھا ـــــ دھیرے دھیرے قدموں سے چلتی اپنی ماں کے پیچھے پیچھے وہ یوں آئی جیسے بہتی ہوئی آ رہی ہو یا ہوا میں اڑتی ہوئی آ رہی ہو۔

نواب شوکت نے اپنے آپ کو آج تک اس قدر کمزور محسوس نہیں کیا تھا ـــــ وہ کیسے استقبال کو کھڑے ہوں ـــــ مانا کہ وہ طوائفیں تھیں، بہر حال آدابِ مجلس اور محفل اپنی جگہ جہاں ہر آنے والی خاتون کا اُٹھ کر خیر مقدم کرنا ہی چاہیئے ـــــ اٹھائیس سال کی عمر میں اس قدر نقاہت۔ نواب شوکت۔ ابھی تو آپ کو منزلیں طے کرنی ہیں۔ اتنی تھکن؟

دِل کی آواز کو نظر انداز کرتے ہوئے انہوں نے اٹھنا چاہا تو پاؤں جواب دے گئے اپنی کمزوری، اپنی بدتمیزی اور اپنی کج اخلاقی کو انہوں نے شانِ بے نیازی میں تبدیل کرنا چاہا۔ ایک نظر یونہی بڑے سے جگمگاتے ہوئے ہال پر ڈالی ـــــ نرم گداز قالینوں پر ریشمی گدے لگے ہوئے تھے ـــــ بیچ میں رقص کے لئے ایک دائرہ نما حلقہ چھوڑ کر آس پاس بچھی ہوئی چاندنیاں گدیلے۔ چاندی کے خوبصورت جالی دار پاندان اور ان میں سلیقے سے پان چھالیہ، الائچی، لونگ سب ہی کچھ تو تھا یہاں۔ چاندی ہی کے اگالدان، چاندی کے گلاب پاش۔ ایک علیحدہ مسند پر ساز بھی سجے ہوئے تھے۔

اب وہ اسی مسند کی طرف آ رہی ہو گی! دھیرے دھیرے کنول جیسے خوبصورت پیروں سے چلتی ہوئی، نہیں وہ چلتی کہاں ہے وہ تو جیسے لہروں پہ بہتی ہوئی آتی ہے... اب ...

اب اب وہ یہیں سے، دِل کے پاس سے گزرے گی۔۔۔ اب انہوں نے اپنی ساری طاقت جمع کر کے نگاہ پھیری ـــــ اسی وقت اس کی ماں نے اسے ذرا تنبیہہ کے سے انداز میں کہا۔

"جھک کر تسلیم بجا لاؤ بیٹی ـــــ"

ماں کا حکم پا کر وہ جھکی ـــــ یوں جھکی کہ ساری کائنات ڈول گئی۔ وہ تو جھکی بھی، جھک کر سیدھی بھی ہو گئی، لیکن نواب شوکت کو اپنا آپ سنبھالنے میں صدیاں لگ گئیں۔

ایک ایک کر کے لوگ آتے گئے۔ ہال بھر تا گیا ـــــ ساز بجنے لگے، گھنگرو چھنکنے لگے وہ یونہی مسند پر دم سمٹی بیٹھی رہی جیسے اس ہنگامے سے اس کا کوئی واسطہ ہی نہ ہو۔ ماں گاتی رہی۔ سازندے اپنے طور پر جو جی میں آیا بجاتے رہے ـــــ ساتھ میں آئی دو تین بچیاں ناچتی رہیں اور وہ یونہی ہال کی سجاوٹ بنی بیٹھی رہی۔

نواب شوکت اُس ایک طرف نہ دیکھنے کی خاطر ساری دُنیا کا جائزہ لے رہے تھے۔ باہر سارے نوکر، نوکرانیاں دروازوں کی آڑ میں اپنے آپ کو چھپائے اندر جھانکتے کھڑے تھے۔ دن بھر کیواں کرنے کے باوجود تازہ دم اور یہ تازگی صرف ایک زندگی بخش چہرے کے ہی دین ہو سکتی تھی ـــــ نظر آتی ہوئی بھٹیاریں۔ خواصیں، ماماتیں، بی بی پاش لوگ کی کنیزیں چلمنوں کے پیچھے سے جھانکتی ہوئی محل کی پردہ نشیں بیبیاں۔ پان چباتے ہوئے مہمان۔ داد دیتے ہوئے چہرے۔ بڑی طرف لالٹینوں میں میزیں لگاتے ہوئے بیرے۔ دُوسری طرف جام بجا کر برتن سفید سفید نیکنوں سے پونچھتے ہوئے محل کے خادم۔ ساری چیزوں کو وہ دیکھ سکنے کا حوصلہ رکھتے تھے۔ لیکن ایک طرف۔ صرف ایک جانب اُن کی آنکھ اُٹھنے کا حوصلہ نہیں کر رہی تھی۔

"کیوں۔ آخر کیوں؟

ایک دم ساز تھم گئے۔ سب اپنی اپنی جگہ چونک گئے۔ چھدو میاں زمانی بیگم سے مخاطب ہو کر کہہ رہے تھے۔

"آپ صاحبزادی سے کچھ سُنواتے تو ہمارے سرکار بھی خوش ہوتے۔ اب تک تو سب

بچوں کا ہی کھیل چلے ویسا تھا۔"

"آؤ بی بی۔ ذرا قریب آجاؤ ـــــ سچ تو ہے اب تمہیں گانا ہی چاہیے" محفل میں سے کوئی بولا۔

"ناچ نہ ہو جائے پہلے"

"نہیں ـــــ" وہ جیسے سہم کر بولی "رقص نہیں، رقص نہیں"

سب لوگ اسے حیرت سے دیکھنے لگے ـــــ ماں نے اسے خشمناک نگاہوں سے گھورا ـــــ نواب شوکت نے زمانی بیگم کی نگاہوں کا مطلب تاڑ لیا۔ سنجیدگی سے بولے۔

"ٹھیک ہے ـــــ ابھی ان کا جی نہیں چاہ رہا ہوگا تو آپ کاتے کو مجبور کرتے۔ گانا ہی سن لیتے ہیں"

زمانی بیگم کے تیور ابھی تک بدلے ہوتے تھے لیکن مصلحتاً مسکرا کر بولی۔

"چلو بیٹی، نواب صاحب جیسا فرماتے ہیں، یونہی سہی ـــــ" پھر انہوں نے نواب صاحب کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"غزل، گیت، ٹھمری، ملہار؟ جو بھی آپ کی فرمائش ہو"

"جو بھی یہ چاہیں ـــــ نواب صاحب نے بہت سہمے سہمے انداز میں اس کی طرف اشارہ کیا ـــــ "گانے والے کی مرضی پہ چھوڑ دیا جائے، تو وہ بات ہی الگ ہوتی ہے"

وہ اپنی جگہ سے تھوڑا سا آگے بڑھ کر سنبھلی ـــــ ہارمونیم والے نے ہارمونیم سنبھالا اور وہ شروع ہو گئی۔

روتے ہے شبنم کہ نیرنگِ جہاں کچھ بھی نہیں
خندہ زن ہیں گل کہ رونے گلستاں کچھ بھی نہیں

آواز کا جادو ساری محفل میں بھر گیا ـــــ لوگ آواز اور لے میں پہلی اٹھان ہی سے

کھو گئے تھے لیکن زمانی بیگم نے ساز اور طبلے کی تیز آواز میں اُسے ٹوکنا شروع کر
"پگلی ہوئی ہے لڑکی ——"
"یہ کیا شروع کر دیا نامراد"
"دوسری چیز سنا کم بخت"
لیکن اُس نے دوسرا شعر شروع کر دیا:

جن کی نوبت کی صدا سے گونجتے تھے آسماں
دم بخود ہیں مقبروں میں ہوں نہ ہاں کچھ بھی نہیں

نواب شوکت جھوم جھوم کر سن رہے تھے۔
ہوں نہ ہاں کچھ بھی نہیں —— ہوں نہ ہاں کچھ بھی نہیں۔
اس ٹکڑے کی بار بار تکرار نے محفل کا رنگ بدل ڈالا۔ زمانی بیگم دیکھ کر سر پیٹ رہی تھیں۔
اس نے اگلا شعر بڑے کرب سے گانا شروع کیا:

جن کے محلوں میں ہزاروں رنگ کے فانوس تھے
جھاڑ اُن کی قبر پر ہے اور نشاں کچھ بھی نہیں

اب یہ سب کچھ زمانی بیگم کی برداشت سے باہر تھا، وہ ذرا آگے کی ایک تھاپ ماری —— تال ٹوٹ گئی۔ لوگوں کا دھیان بٹ گیا۔ شش بدمزگی سے ایک دوسرے کو دیکھنا شروع کیا۔
"نامراد یہ کون سا وقت ہے، ایسی عبرت ناک چیزیں پڑھنے ہوں گیا ——"
نواب شوکت بڑی دیر بعد محفل میں لوٹے۔ وہ ابھی تک اسی لے ماحول کے سحر میں تھے۔ نرمی سے بولے:

"کیا ہُوا ؟"

وقت کی چیز وقت پر اچھی لگتی ہے حضور نواب صاحب ! آپ نے تو بلایا ہے اس
بارک شادی خانۂ آبادی کے بابرکت موقعے کے لئے کوئی پھڑکتی ہوئی محفل
الی چیز کا انتخاب فرمائیں گے اور شادی کے مبارک دن وہی چیز حاضرینِ محفل کے
کی جائے گی اور یہ نادان ، ناسمجھ ، نامُراد دیکھئے تو کیا گانے بیٹھ گئی " زنانی بیگم
کو نواب صاحب کے عتاب سے بچانے کے لئے خود ہی لعن طعن شروع کر دی ۔
حیرت کی حد نہ رہی جب نواب صاحب نے ملائمت سے کہا ۔
ہم یہ سوچ رہے ہیں کہ اس سے اچھی چیز آپ کی بیٹی اور کیا گا سکے گی ہم بار
سا چاہیں گے "

نصیب میرے کہ حضور بدمزا نہیں ہوتے ، ورنہ اس نے میری جان لینے میں کسر
چھوڑ دی تھی "

"جان آپ کی نیتیں ہماری لے لیتے ہیں ان بی بی نے " انہوں نے اپنے دِل کی آنتی
ہو کر سر اٹھا کر اِدھر اُدھر دیکھا کہ کسی نے ان کے دِل کی بات تو نہیں سُن لی و
جھوم جھوم کر سُننے اور داد دینے لگے ۔

خاک پر ٹوٹا پڑا ہے کاسۂ سر ہائے ہائے
دورِ یش اے جم ، ترا جامِ جہاں کچھ بھی نہیں

پُرسوز لَے اور جسم میں سے آخری سانس تک کھینچ کر نکال لینے والی ، درد بھری
آدا
یہ شعر گاتے گاتے اچانک اس نے لَے بدل کر دوسری غزل شروع کر دی ۔

ہے بہارِ باغِ دُنیا چند روز   دیکھ لو اس کا تماشا چند روز
اے مسافر کُوچ کا سامان کر   اس سرا میں ہے بسیرا چند روز

اچانک پھر وہی لَے ۔ وہی تان ۔ وہی شعر ۔ وہی کرب ۔

جن کے محلوں میں ہزاروں رنگ کے فانوس تھے
جھاڑ اُن کی قبر پہ ہے اور نشاں کچھ بھی نہیں

ادھر نواب صاحب جھوم جھوم کر سر دھن دھن کر داد دے رہے تھے —— اہلِ محل کی طرف سے زمانی بیگم پر کلدار روپیوں کی بارش ہو رہی تھی، کیوں کہ ان کی بیٹی نواب صاحب کا دل جیت گئی تھی۔ نواب صاحب خود بھی جب کسی طوائف کے رقص یا گیت کو پسند کر لیتے تو وہ تو جھومتے ہی رہتے اور مصاحبین نواب صاحب کی طرف سے فنکارہ پر روپیوں کی بارش کرتے رہتے۔

باہر دروازوں کے پٹوں سے لگی کنیزوں میں، چلمنوں سے جھانکتی بیبیوں میں، حا جمولی پڑ بیٹھی بھٹیار نوں میں، خوشی کی دبی دبی سرگوشیاں چل رہی تھیں۔

"ہائے اللہ اب محل میں شادی ہو تیں گی۔ خوب مزا آئے گا نا؟"

پھر کیا۔ نواب صاحب کی شادی کی ساری تیاری تو ہوگئی تھی۔ بس کوئی گانے ناچنے والی اپچ تو پسند نہیں آ رہی تھی۔ سو وہ بھی آ گئی۔"

"اب اگلے مہینے میں ہو جائیں گی ناشادی، کیوں گے؟"

"اب ہونا تو چاہیے —— پھر کیا معلوم ——"

"اے خدا اگلے مہینے شادی نہ ہوئی" اصغری اپنی ساتھ والی سے بولی جتنے دن شادی رُکی رہے گی، نواب صاحب طوائف کو بلاتے رہیں گے اور ہمیں کھانا بھی اچھا اچھا ملتا رہے گا اور روپیہ پیسہ بھی بہت ملے گا ——" یہی ساری بھٹیارنوں کے دل کی بھی آواز تھی لیکن نہ یہ ہونا تھا نہ وہ ہوا۔ وہی ہوا جو ہونا تھا۔ ساری تیاریاں ہوتے ہوتے بھی شادی رُک گئی۔ نہ لڑکیوں بالیوں کے دل کھلے نہ بھٹیارنوں ہی کی دعا قبول ہوئی کہ طوائف بار بار بلائی جائے کیوں کہ ہوا یہ کہ نواب شوکت یار جنگ کو خود وہ طوائف ایسی پسند آ گئی کہ شادی ٹالنے گئے۔ اور بڑی انہونی بات یہ کی کہ خود ہی ایک دن اس کے دروازے پر جا پہنچے۔

اُس دن شوکت محل سے مال تو اتنا کچھ مل گیا تھا کہ ماں بیٹی چاہتیں تو عُمر بھر بیٹھ کر کھا سکتی تھیں لیکن گھاٹ گھاٹ کا پانی پی ہوئی زمانی بیگم تو اس دن یہ سمجھ آئی تھیں کہ نواب صاحب کس طرح بٹیا پر للہوٹ ہو گئے ہیں اور جو کسی نے کہا ہے کہ طوائف کی نظر سدا مردوں کی جیب پر ہوتی ہے غلط نہیں کہا۔ زمانی بیگم کا بس چلتا تو پُورا شوکت محل ہی اُٹھا کر اپنے گھر میں لے آتیں ـــــ اس دن آتے ہی بیٹی پر بے بھاؤ کی پڑیں۔

"کیوں ری حرام زادی، کون سا تیرا باوا مر گیا تھا کہ وہ جے اور مرثیے پڑھنے بیٹھ گئی تھی ـــــ میں تجھے کیا سکھا پڑھا کر لے گئی تھی؟"

"جی؟" اس نے اپنی خوابناک اور معصوم آنکھیں اُٹھا کر پوچھا۔

"جی کی بچی ـــــ میں غرارہ پہنا کر اس لئے لے گئی تھی کہ ناچ بتا تا ـــــ ناچتے ناچتے غرارہ ذرا سا کھسکا چمکتی دمکتی پنڈلی دکھا دینا ـــــ کوئی کوئی سر پھرا مرد عورت کے سارے جسم کو چھوڑ کر بس ٹانگوں پر ہی دم دیتا ہے، مگر تُو تو ایسی نکاحی دُلہن بن کر بیٹھی تھی کہ جسم کی ذرا بھی جھلک تک تو تُو نے نہیں دکھائی۔

"اماں ـــــ" وہ بڑے نرم اور ڈرے ہوئے لہجے میں بولی: "آپ نے مجھے مولوی صاحب کے پاس پڑھنے کیوں بٹھایا تھا؟"

یہ سوال زمانی بیگم کی سمجھ میں نہ آیا۔ جھلّا کر بولیں:

"اری قرآن شریف پڑھنے کو اور کاہے کو۔ مذہب سے واقفیت کو اور کاہے کو ـــــ نہیں تو منکر نکیر تجھے چھوڑ کر مجھے ڈنڈے مارنے نہ آئیں گے جو تُو نے سیدھے جواب دے تو:"

"وہی تو کہتی ہوں اماں ـــــ آپ نے تعلیم دلوائی ـــــ میں نے جو پڑھا اسی پر عمل کرنا چاہتی ہوں ـــــ مذہب یہ کہاں سکھاتا ہے کہ غیر مردوں کو اپنے جسم سے پرچاؤ۔ مذہب نے تو حیا کی تعلیم دی ہے، اور آپ نے خود میرا نام حیا رکھا ہے۔

"اے چولہے بھاڑ میں جائے جی موتی حیا شرم، اپنی جگہ، پیشہ اپنی جگہ، شرم حیا کو لے کر بیٹھ جائیں تو فاقے نہ کریں۔"

"فاقے کہاں اماں، اتنی دولت تو آپ نے جوڑ لی ہے کہ پشتوں ختم نہ ہو اور... ..."

اور ایک زناٹے دار ہاتھ حیا کے گال پر پڑا۔

"اری حرام زادی ـــــ تو حرافہ تیری ماں حرافہ ـــــ شریف زادی بننا ہے تو پڑھوالے کسی سے دو بول ـــــ جب سال پیچھے بچہ پیدا کروائے گا، اور جوتوں لاتوں سے تواضع کرے گا پھر آ کر مجھ سے بات کرنا۔ حرام زادی کے مزاج ہی نہیں ملتے ـــــ جب گانا سیکھنے کو بٹھاؤ، الٹے سیدھے بول اور تان نکالے گی ـــــ ناچنے کو کھڑا کرو جان جان کر بے تال ہونے لگے گی ـــــ تیری سات پشتوں میں بھی کسی نے گھر داری اور ہانڈی ڈوئی کی ہے ـــــ یہ ایک بڑی پروے دار بی بی بننے چلی ہے ـــــ چھمن خاں!" انہوں نے مونہہ پھیر کر اُستاد کو آواز دی: "لے جاؤ لونڈیا کو اور آج تال دادرا اس کے بھیجے میں پوری طرح بٹھاؤ۔"

چھمن خاں ڈرتے ہوئے آئے تو وہ پھر گرجیں۔

"کیا کہا میں نے؟"

"جی تال دادرا" وہ ڈر کر بولے۔

"ٹھیکہ سناؤ اس کا"

"جی ـــــ" چھمن خاں مسمسی صورت بنا کر بولے: "دھا۔ دھن۔ نا۔ دھا۔ تن۔ نا ـــــ"

"اُلو کے پٹھے ہو تم بھی ـــــ" وہ جھنجھلا کر بولیں۔

"ٹھیکہ یوں ہے۔ دھا۔ دھن نا۔ دھا۔ تن نا ـــــ پہلے تو تم خود آئینے کے سامنے

کھڑے ہو کر اپنی میت جیسی صورت پر فاتحہ پڑھو ـــــ اس کے بعد لونڈیا کو پڑھاؤ ـــــ سمجھے ـــــ" وہ اُٹھ کر پاؤں پٹختی خود ہی چلی گئیں ـــــ چھتن خاں روتی ہوئی آواز میں بولے :

"بیٹا آپ انہیں غصّہ دلا دیتی ہیں، ہم غریب مارے جاتے ہیں ـــــ ساری عمر ساز سنگیت لئے، تال، ٹھیکوں میں گزری پر اللہ قسم جب غصّے میں ہوتی ہیں تو سارا فن بھلائے دیتی ہیں ـــــ اس دن بھی آپ پر غصّہ ہوئیں اور میں غلط وقت پر غلط راگنی کا نام لے بیٹھا ـــــ اب کون نہیں جانتا کہ میاں کی ملہار، جے جے ونتی، درباری، رات کے راگ ہیں ـــــ وہ کچھ بولیں، میں کچھ سمجھا۔ بول بیٹھا بھیرویں، اساوری پچھتی رات کے راگ ہیں ـــــ حالانکہ میری تو عمر اسی ... ..."

جیا دھیرے دھیرے آنسو بھری آنکھیں اُٹھا کر بولی :

"بابا آپ خواہ مخواہ دل چھوٹا کرتے ہیں ـــــ یہ تو میں خود ہی منحوس ماری ہوں کہ آپ کے لئے پریشانی کا باعث بن جاتی ہوں۔"

"میرا کچھ نہیں جاتا بٹیا ـــــ آپ کے لئے میرا دل دکھتا ہے۔ آپ ان کی بات مانتی کیوں نہیں آخر۔"

"بابا جب آنکھوں میں سبز رنگ ہوں، جب یہ منظر بار بار کلیجہ مسوستا ہو کہ میں اُبٹن اور مہندی سے مہکی ہوئی ہوں، گوٹے، ستاروں سے لدے جوڑے میں دلہن بنی ہوئی ہوں، پاؤں کے بچھوے وہ موسیقی سنا رہے ہوں جو آج تک کسی موسیقار نے تخلیق نہیں کی۔ پھولوں سے سجی پالکی آنگن میں لگی ہوتی ہے ـــــ تب زندگی کی بے پناہ خوشی اور خواہش آگے بڑھنے پر اکساتی ہے لیکن پھر بھی میں کواڑ کے پٹ مضبوطی سے پکڑ لیتی ہوں۔ کہ نا، نا مجھے اس آنگن کو، پیو کے اس دیس کو نہیں چھوڑنا ہے ـــــ بہنیں دھیرے دھیرے کواڑوں سے جُڑی میری اُنگلیاں چھڑاتی ہیں کہ جاؤ بہنا یہی تمہارا ہمارا سب کا نصیبہ ہے۔

بھائی موہنہ پھیرے آنسو چھُپانا چاہتے ہیں، اور میں ایک پل روتی، ایک پل مُسکراتی ——— آنسو دل سے، موہنہ دھوتی پالکی میں بیٹھ جاتی ہوں، جس کے ساتھ گھوڑے پر چڑھے وہ بیٹھے ہیں ——— پیچھے مُڑ کر دیکھتی ہوں تو آنکھوں میں آنسو اور دُنیا بھر کا پیار لئے امّاں ابا کھڑے نظر آتے ہیں تو میں پھُوٹ پھُوٹ کر رو دیتی ہوں کہ اتنے میں ایک ہاتھ میرا ہاتھ تھام لیتا ہے اور جیسے ساری دُنیا کی خوشیاں میری گرفت میں آجاتی ہیں — بابا مجھے ایک ہاتھ چاہیئے ۔ بس ایک ہاتھ ۔ ایک ہی کا ہاتھ ———"

"آپ میری بات کا جواب کبھی نہیں دیتیں بٹیا ———"

"بابا ———" حیا اپنے آپ کے خول سے چونک کر نکلی ۔ چلئے ریاض کرلیں، ورنہ امّاں میرے ساتھ ساتھ آپ پر بھی غصّے ہوں گی ———" وہ ابھی دوسرے کمرے میں پہنچی بھی نہ تھی کہ بڑے دروازے پر دستک ہوتی ۔ چمن خاں لپکے ۔ اِدھر اُدھر سے ساری لڑکیاں بھی نکل آئیں ۔ زمانی بیگم وہیں سے وزیرن کو ٹھیلنے لگیں ۔

"اری یہ کوئی نیا آدمی جان پڑتا ہے جو دستک پہ دستک دیئے جا رہا ہے — ورنہ جان پہچان کا ہوتا تو یونہی چلا نہ آتا ——— بھلا ہمارے سدا کے کھُلے پڑے دروازے پہ کوئی دستک کیوں دے گا ؟"

پتہ چلا کہ نواب شوکت یار جنگ کا فرستادہ آیا ہے کہ شام کو نواب صاحب خود تشریف لانے والے ہیں ۔

چوک میں ایسے نصیب کس کے ہوئے تھے ؟ اے لو وہ ہلڑ مچی کہ توبہ ——— اب رات آدمی رات کے جاگے تو ابھی ابھی گھر پہنچے تھے ——— صبح ہوا ہی چاہتی تھی ۔ دِن بھر تو سونے میں کٹ جاتا ہے ۔ جب رات بھر کے جگے ہوئے ہوں گے اور شام ہی شام کو جو نواب صاحب آجائیں تو گھر کو سجانے، سنوارنے، خود اپنے نہانے دھونے، بننے سنورنے میں کچھ تو وقت لگے گا ہی ۔" یوں کرو چمن خاں نواب صاحب سے کہلا دو مغرب

کے بی تشریف لائیں کہ بندی نماز سے کبھی فراغت پالے ـــــ اچھا ہے بڑے لوگوں پر بہت اچھا اثر پڑتا ہے۔ اگر انہیں پتہ چل جاتے کہ گانے بجانے جیسے پیشے کے ساتھ ساتھ نماز روزے کی پابندی بھی کی جاتی ہے۔"

عصر کے وقت زمانی بیگم سو کر اُٹھیں بے ہنگم سے خوب اونچے پلنگ پر بھونسڑے میلے میلے تکیوں اور پھٹی پُرانی چادر پر پڑے پڑے انہوں نے نیچے جھانک کر اُگالدان نکالا اور صبح کا دبا ہوا پان پٹاخ سے اُگالدان میں تھوک دیا۔ پان کلے میں دبا رہے تو بات نہیں کی جا سکتی نا۔ اب وہ گالیاں دینے کے لئے آزاد تھیں، مونہہ میں پیک وغیرہ کچھ نہ تھا۔

"جمالن، او جمالن۔ کِدھر مر گئی سور کی جنی۔ اری او صابرہ۔ او خصموں دیوانی ـــ اری او ناتحقیق کی اولاد جھنتو۔ کوئی نہیں سنتا ـــ اری او دکارن۔ موئی ساری جہنم کی کندیاں، مرجاؤ سب کی سب اللہ کرے منکر نکیر ڈنڈے لے لے کر تمہیں سارے جہنم میں گھمائیں۔"

صابرہ دوسرے کمرے میں مونہہ دبا کر ہنستی ہوئی بولی :

"ہم نے تو کبھی یہ سُنا اور پڑھا ہے کہ منکر نکیر قبر میں آتے ہیں نا کہ پورے جہنم میں آپا دھاپی اور چھپا کا کرتے پھرتے ہیں۔"

"ایسے موٹے موٹے کیڑے پڑیں تمہاری قبروں میں کہ جیسے سانپ۔" زمانی بیگم کی آواز مسلسل آ رہی تھی۔

جھنتو ایک نمبر کی حرّافہ تھی ـــ کتابیں رسالے پڑھ پڑھ کر زبان بھی بہت تیز کر چکی تھی۔ ہنس کر دھیرے سے بولی :

"یہ مسلسل قبر اور دوزخ کو گڈمڈ کئے جا رہی ہیں۔ کوئی انہیں سمجھائے کہ کیڑے قبر میں پڑیں گے اور سانپ دوزخ میں ہوتے ہیں۔"

"ارے نہ نواب کی اولاد تھی یا نہیں بے حیا۔"

"واہ بھئی، بچپن میں تو حیا نام رکھا اور اب اس میں بے کا اضافہ کردیا تو بچپن ہی سے بے حیا رکھ دیتیں"

"اب چُپ بھی کرو ـــــ" جھنّو دھیرے سے بولی: "بے چاری باجی پر پھر سے پڑتال شروع ہو جائے گی۔ لو میں ہی جاتی ہوں ـــــ" بہت معتبر بن کر وہ زمانی بیگم کے کمرے میں پہنچی۔

"جی اماں، آپ نے یاد فرمایا"

"اری نگوڑیو! تمہارے کانوں میں پلنگ کی گلیاں پھوٹیں اللہ کرے ـــــ کب سے بلا رہی ہوں، تم سب تیار ہو گئیں یا نہیں ـــــ بس گھنٹے دو گھنٹے میں نواب شوکت یار جنگ آتے ہی ہوں گے۔ دیوان خانے کی صفائی کرلو اور پاندان، ناگردان، اگالدان، خاص دان سب صاف کر کے قرینے سے لگا دو"

"اور کچھ اماں جان ـــــ" صابرہ بظاہر بے حد سنجیدہ بن کر آ کھڑی ہوتی تھی ـــــ

"اور کچھ نہیں ـــــ" وہ خفگی سے بولیں "لیکن ہاں سنو، جب نواب صاحب آ کر بیٹھ جائیں اور پان چائے اور لوازمات کے لئے کہوں تو تجھے جواب دینا کہ اماں کم بخت ماری پیالیاں صبح سے کھو گئی ہیں، ڈھونڈ ڈھونڈ کر بے زار ہو گئے سب، ملتی ہی نہیں۔ بس اتنا کہہ کر واپس چلی جانا"

جمالن حیرت سے بولی "اماں بی بی اس سے کیا نتیجہ برآمد ہوگا؟"

"اری سو حرافاؤں کی ایک حرافہ۔ اس سے یہ نتیجہ برآمد ہوگا کہ نواب صاحب خود ہی بٹوے میں سے سو پچاس روپے اچھال دیں گے، یہ بھی مانگنے کا ایک طریقہ ہے، لیکن ایسا کہ ہاتھ بھی نہ پھیلے اور ہاتھ بھی بھر جائے"

حیا بازو کے کمرے میں سخت بے چینی کے عالم میں ساری باتیں سن رہی تھی۔ اُسے

یقین تھا کہ ابھی چند لمحوں میں اماں آکر چھاتی پر سوار ہو جائیں گی۔

"میری جان! یہ زیور پہن لے۔ میری بچی یہ جوڑا چڑھا لے۔ سنگھار کرلے۔ پھول سجا لے ــــ" کتنا بچیں گی، ہر بار، دو پیٹ کر، مار و ھٹکے، جوتے لاتیں کھا کر بھی تو میں ان کا کہنا بالآخر مان لیتی ہوں تو شروع سے ہی کیوں نہیں مان لیتی ــــ میرے دل میں انیکا کا جذبہ آخر پیدا ہی کیوں ہوتا ہے ــــ آخر میرے ساتھ کی یہ سب لڑکیاں بھی تو ہیں۔ جمان، چھنو، صابرہ، دلاری، بیگو یہ تو اماں کی ہر بات حسن لیتی ہیں بلکہ لڑ لڑ کر زیور کپڑا مانگتی ہیں محفل سجتی ہے تو جان جان کر پھیرے لگاتی ہیں کو زیادہ سے زیادہ مردوں کی نظریں ان پر پڑیں یوں چلیں گی کہ کسی نہ کسی مرد سے اُن کے جسم کا کوئی حصّہ ضرور مس ہو جائے۔ کوئی انہیں چھٹہ دے دے تو کس طرح خوش ہوتی ہیں ــــ اکیلے دکیلے میں مردوں سے لپٹ بھی جاتی ہیں ــــ میں کیوں ان سب جیسی نہیں بن جاتی ــــ اماں کی آخر کتنی گالیاں، کتنی گھڑکیاں، کتنے کوسنے، کتنے تھپڑ میرا مقدر بنیں گے ــــ سامنے اماں کھڑی تھیں۔

"اے ہے کیا چاند سا چہرہ نکل آیا ہے میری بچی کا ــــ دیکھو بھلا کبھی کبھی بے آرامی بھی حسن کا باعث بن جاتی ہے ــــ نہ نیندیں کم ہوتیں، نہ چہرہ یوں زرد پڑتا ــــ اچھا بٹیا اب اٹھ کر جلدی سے چوڑی دار پاجامہ کرتا اور کرن بانکڑی والا دوپٹہ تو اوڑھ لے"؛

چوڑی دار ــــ؟ حیا سہم کر بولی۔

"اے وہی تو کہوں بیٹی۔ چوڑی دار پاجامہ پہننے سے جسم کے صحیح نقوش اُبھر کر آتے ہیں ــــ ماہر درزی کی سلائی ہو تو پتہ ہی نہیں چلتے ہے کہ پاجامہ کہ ہر اور جسم کدھر۔ بس یوں چپک جاتے ہے ــــ اری بٹیا تجھے کتنا سمجھاؤں کہ مرد کو پرچانا کوئی بڑی بات نہیں۔ بس سارا گُر ایک ہی گُر میں پوشیدہ ہے۔ ہاتھ مت آ۔ وہ دو قدم آگے آئے، تم دو قدم پیچھے ہٹ جاؤ۔ وہ تمہاری آنکھوں کی تعریف کرے تو اُس پر سے اپنی آنکھیں ہی ہٹا لو ــــ وہ مُنٹ مُنٹ تمہیں دیکھتا رہے، دیکھتا رہے، تم ایک آدھ چھوٹی سی نظریں ہی پھینک دو۔

یوں کہ وہ یہ حرکت تمہاری دیکھ ضرور لے ـــــ لیکن پھر انجان بن جاؤ اور کن انکھیوں سے محسوس کرتی رہو کہ وہ دیکھ تم ہی کو رہا ہے ـــــ جال میں پھنسے طائر کی طرح اسے تڑپنے دو، بچلنے دو، جال تنگ سے تنگ کرتی جاؤ، آنا ومت کرو ـــــ" انھوں نے لفظ آزاد پہ زور دے کر پھر سے کہا " آنا ومت کرو ـــــ کیوں؟ کیوں کہ ایک بار وہ پرندہ ہاتھ سے نکل کر اڑ گیا تو سمجھو ہار ہو گئی، اور بٹیا ہمارے پیشے میں عورت کی ہار، اس کی موت ہے اور موت سے بچنا ہے تو مرد کو تڑپاؤ، اور مرد کو تڑپانا ہے تو جسم کا سہارا لو۔ اور سنو پتے کی بات۔ جسم بھی ضروری ہے لیکن اس سے زیادہ ضروری تمہارے چہرے کی دولت ہے۔ یہ چہرہ ـــــ یہ عورت کا چہرہ کسی افسوں سے کم نہیں ـــــ اس میں جڑی ہوئی بظاہر بے ضرورسی آنکھیں مگر یاد رکھنا کارزار حیات کے سارے فیصلے اسی میزان کے سائے میں ہوتے ہیں ـــــ بظاہر ایک چھلتی ہوئی سی نگاہ اچھے خاصوں کو منزل سے بھٹکا دیتی ہے۔ پھر وہ ہونٹ عورت کا انمول ترین خزانہ۔ یہ مثانے پر ہی آجائیں تو مرد کی کیا سکت ہے بے چارے کی ـــــ دھیرے سے کھلتے ہوئے ہونٹ اور بند ہوں تو ہلکی سی مسکراہٹ کی آنچ دیتے ہوئے ہونٹ۔ یاد رکھنا میٹھی شراب ورا سب میں کچھ کبھی نہیں دھرا ـــــ شراب کا لبریز، حواس گم کردینے والا پیالہ تو خود عورت کا وجود ہے۔ جس میں چہرہ سرفہرست ہے۔ میں نے ناک کا ذکر نہیں کیا اور اس لئے نہیں کیا کہ اس میں ایک چھوٹی سی تھنی ہوتی ہے، جو مرد کو اپنے گھیرے میں باندھ لیتی ہے اور نتھ اتر جائے تو کیل ناک میں پڑ جاتی ہے ـــــ اور یہ بھی نہ بھولو کہ عورت مرد کی پسلی سے، دل کے قریب سے پیدا ہوئی ہے۔ اور اس لئے دل کے قریب سے پیدا ہوتی ہے کہ وہ مرد کے دل پر راج کرے ـــــ نہیں تو وہ مالک وہ کارساز جس کا رچایا ہوا یہ سارا کھیل ہے، وہ عورت کو مرد کے پیروں سے قدموں سے بھی پیدا کر سکتا تھا تاکہ ساری عمر پیروں میں رلتی رہے۔ لیکن نہیں وہ دل کے قریب سے نکالی گئی ہے، تاکہ دل پر بادشاہت کرے۔ اور تم بھی عورت ہو ـــــ خوب صورت جسم اور گراں گوں چہرے کی مالک ہو، اس لئے بٹیا بادشاہی کرو، ایک زمانے کو اپنے

قدموں میں جھکا لو کہ بادشاہی کے آداب ہی یہ ہوتے ہیں کہ غور سے نئے جھکے سروں کو اپنے حضور جھکایا جائے ۔ نہ کہ خود سر بسجود ہو جایا جائے ۔ اُٹھو — میں نے دُنیا دیکھی ہے ۔ دُنیا نے بھی مجھے دیکھا ہو گا لیکن میں نے دُنیا کو زیادہ غور سے دیکھا ہے اور زیادہ سمجھا ہے اور یہ بھی سمجھ گئی ہوں کہ نواب شوکت یار جنگ تو تم سے دل ہار بیٹھے ہیں ۔ لیکن تم بھی ان کے سحر میں آ گئی ہو اور یہی چیز غلط ہے ، بلکہ سب سے غلط چیز یہی ہے ۔ لوگ مندر میں ماتھا ٹیکنے آتے ہیں ۔ مندر خود کسی کے آگے نہیں جھکتا ۔" جیا نے گھبرا کر سر اُٹھایا ۔ نعانی بیگم نے بغیر سانس لئے اپنا بیان جاری رکھا : " میں تمہاری ماں ہوں ۔ جیسی بھی ہوں تمہاری ماں ہوں ۔ تمہاری بھلائی ہی چاہوں گی اور جو تم نے مذہب مذہب کی دہائی دینی پھر رہی ہو تو یہ تم نے خود ہی مذہب میں پڑھا ہو گا کہ ماں بہر حال ماں ہوتی ہے اور اس کے قدموں کے نیچے جنت ہوتی ہے — عاقبت کی خبر خدا جانے — اس دُنیا میں تو کم از کم میں تمہیں جنت بخش دُوں اور جنّت کے حصول کے لئے صرف دولت درکار ہوتی ہے بس صرف دولت — اور جب کہ دولت خود تمہارے دروازے تک چل کر آتی ہے ، اسے ابھی یہ ٹھکرا دینا ؟"

نواب شوکت یار جنگ سخت بے دلی سے بیٹھے ہوئے تھے — وہ ان نوابوں میں سے تھے جو خود کسی طوائف کے در پر جبیں سائی کرنے نہیں جاتے — محفل رہی پر یگن دو — ناچنے گانے والیاں خود ہی حاضر ۔ یہاں دل چوٹ کھا گیا تھا — روک ٹوک کسی کی نہ تھی ۔ سیدھے اُٹھ کر چلے آئے — عجیب اٹ پٹا سا ماحول تھا ۔ جس دیوان خانے میں وہ بیٹھے ہوئے تھے ، وہ صاحب خانہ کے حساب بڑی اچھی طرح سنوارا گیا تھا ۔ مگر وہ سخت بدمزہ ہو رہے تھے — دیوان پر جو بیج نما بستر لگا ہوا تھا اس کے پیچھے ہاتھ کے رنگے گلابی ململ کے ٹکڑوں سے گلاب کے پھول بنا کر دیوار گیریاں بنائی گئی تھیں — دیواروں کو گز نے سے کپڑا چپکا کر بالکل ڈھانپ دیا گیا تھا ۔ اور اس پر

جا بجا وہی گلاب کے کیڑے والے پھول ٹانک دئے یا چپکا دیتے گئے تھے۔ گدا موٹا ضرور تھا لیکن جانے اس میں گھر بھر کے بیکار پھٹے پرانے کپڑے ٹھونس دیتے گئے تھے یا ناریل کے کھونچے بُرادہ اور رسّیاں بھر دی گئی تھیں کہ عجیب اوبڑ کھابڑ ہو گیا تھا —— سطح بے حد ناہموار تھی، اور کم بخت گاؤ تکیہ مرے ہوئے ہاتھی کے بچّے کی طرح پسرا پڑا تھا —— وہ نشست جمانے کے لئے بار بار کہنی کے نیچے سے کونے میں بھرنے کے لئے تکئے کو سمیٹتے اور وہ پہلو سے نکل بھاگتا —— ایک طرف کھونٹی پر مُردہ باسی ہار لٹک رہے تھے۔ چلو لٹک رہے تھے تو ٹھیک تھا۔ مچھروں کے پرّے کے پرّے آکر ان پر جھول رہے تھے جو ہاروں سے کبھی کبھار بے زار آکر نواب شوکت یار جنگ کے جھنڈ بالوں پر دھاوا بول دیتے —— پاندان، ناگردان، اگال دان غرض کئی دانوں کی قطار سجی کھڑی تھی جو انہیں سخت بے ڈھنگی لگ رہی تھی۔

"عجیب نااہل لوگ ہیں —— " انہوں نے اُلجھ کر اپنے آپ ہی سوچا —— "اگال دان کسی چیز کی اوٹ میں رکھ دیتے یا دیوان کے نیچے کھسکا دیتے —— یہاں رکھنے کی کیا تُک تھی —— خواہ مخواہ دیکھ دیکھ کر متلی ہو رہی ہے"

نیچے دوسرے گدیلے پر ایک طرف ہارمونیم، مردنگ، دونوں طبلے، دایاں، بایاں، سارنگی اور ایک ڈھولکیا پڑی ہوئی تھی۔ چینی کے آڑے ٹیڑھے ناہموار ٹکڑے فرش میں جڑے ہوئے تھے اور ناچنے کے لئے ایک گول دائرہ سا بنا دیا گیا تھا —— ایک طرف دیوار سے گھنگرو بھی لٹک رہے تھے —— سخت بیزار کُن ماحول تھا —— اور اگر اس سے بھی ہزار گُنا، لاکھ گُنا بیزار کُن ماحول ہوتا بھی تو کیا تھا اگر نگاہ اُٹھانے پر ایسی حسین اور سر سے پیر تک سونے میں بنی مورتی نظر آجاتی جو کہ اس وقت نظر آرہی تھی اور نواب شوکت یار جنگ پلک تک جھپکانا بھول گئے تھے۔ اس وقت پلک جھپکانا گویا خُدا کی نعمتوں سے ناشکر گزاری کا اظہار ہوتا —— گہرے ہرے چمکیلے ساٹن کا پنڈلیوں پر کسا ہوا پاجامہ

اسی رنگ کا کمر سے تنگ اور نیچے جا کر گھیر لیتا ہوا کرتا۔ جس کی آستینیں جالی کی تھیں اور مرمریں شانے جھلک جھلک کر ایمان خراب کیے دے رہے تھے —— جالی کا سبز رنگ کا چکیوں بھرا دوپٹہ جس پر کرن بانکڑی کی جھالر ٹنکی تھی —— وہ جھالر پھول پھول چہرے کو چاند چاند کیے دے رہی تھی۔ اس نے جب کمر کو قدرے خم دے کر آداب کیا تو اتنا تو شوکت نواب کو یاد رہ گیا کہ ہاں اس نے آداب کیا تھا۔ لیکن ساتھ ہی اس نے جو آنکھیں اُٹھا کر دیکھا تھا وہ سارا سلسلہ ایک تہ سے خارج تھا۔ ایسی باتیں کرتی ہوئی آنکھیں۔ ایسی وعدہ کرتی ہوئی آنکھیں ایسی جان نہ پہچان پر یہ شکوہ کرتی ہوئی آنکھیں انہوں نے کبھی نہ دیکھی تھیں —— وہ یوں ہی کھڑی کھڑی انہیں بڑے سارے اپنائیت سے دیکھتی رہی اور وہ سوچتے رہے کیوں نہ رہے کہ اپنی شادی کو میٹ ڈالیں —— شادی، جس شادی کے سلسلے میں انہیں یہ انمول سوغات ملی تھی —— شاید وہ اس سے دو پہر کا رشتہ رکھتے کہ باتیں کرنے سے لمحوں کی قیمت گھٹ جاتی ہے ——

بڑے بے ڈھنگے پن سے جس میں کچھ جھجکنے کی بھی چھاپ تھی۔ نواب صاحب بولے۔

"رات کو آپ کتنا اچھا گا رہی تھیں۔ ہمارا تو مرنے کو جی چاہنے لگا ہے۔"

"میں معافی چاہتی ہوں کہ اس نااہل نے محفل کا رنگ بگاڑا اور کچھ سوچا اور ماحول کو غمگین کر دیا۔ دراصل مجھے غم سے اُنس ہے۔" اس کی لہر مارتی پانی کی طرح صاف و شفاف آواز۔ اس کا نفیس لہجہ، نکھری ستھری بات چیت سن کر وہ اپنے آپ سے خفا خجل ہو گئے۔ بولے:

"آپ کہاں کے ہیں؟ ہمارا مطلب آپ کا وطن؟"

"جی —— یہی حیدرآباد دکن ——" اس کے لہجے سے حیرت عیاں تھی۔

"یہ آپ نے کیوں پوچھا؟"

اسی لمحے سلیقے اور نفاست کی پتلی بنی زمانی بیگم بھی کمرے میں آ گئی۔ نواب صاحب نے

اسی رنگ کا کمر سے تنگ اور نیچے جا کر گھیر لیتا ہوا کرتا۔ جس کی آستینیں جالی کی تھیں اور مدور شانے جھلک جھلک کر ایمان خراب کیے دے رہے تھے ——— جالی کا سبز رنگ کا چمکیوں بھرا دوپٹہ جس پہ کرن بانکڑی کی جھالر بچی تھی ——— وہ جھالر بھول بھول چہرے کو چاند چاند کیے دے رہی تھی۔ اس نے جب کمر کو قدرے خم دے کر آداب کیا تو اتنا تو شوکت نواب کو یاد رہ گیا کہ ہاں اس نے آداب کیا تھا۔ لیکن ساتھ ہی اس نے جو آنکھیں اُٹھا کر دیکھا تھا وہ سارا سلسلہ ایک تہ سے دوسرا تھا۔ ایسی باتیں کرتی ہوئی آنکھیں۔ ایسی وعدہ کرتی ہوئی آنکھیں ایسی جان نہ پہچان پر بے پُرشکوہ کرتی ہوئی آنکھیں انہوں نے کبھی نہ دیکھی تھیں ——— وہ یوں ہی کھڑی کھڑی انہیں بڑے سارا اپنائیت سے دیکھتی رہی اور وہ سوچتے رہے کہ اپنی شادی کو بیٹے ٹالیں ——— شادی، جس شادی کے سلسلے میں انہیں یہ انمول سوغات ملی تھی ——— شاید وہ اس سوال پر کار بند تھے کہ باتیں کرنے سے لمحوں کی قیمت گھٹ جاتی ہے ———

بڑے بے ڈھنگے پن سے جس میں کچھ جھجکنے کی بھی چھاپ تھی۔ نواب صاحب بولے۔

"رات کو آپ کتنا اچھا گا رہے۔ ہمارا تو رونے کو جی چاہنے لگا ہے۔"

"میں معافی چاہتی ہوں کہ اس نااہل نے محفل کا رنگ نکھارنے کے بجائے اور کچھ سوچا اور ماحول کو غمگین کر دیا۔ دراصل مجھے غم سے اُنس ہے۔" اس کی لہر مارتی پانی کی طرح صاف و شفاف آواز۔ اس کا نفیس لہجہ، نکھری ستھری بات چیت سن کر وہ اپنے آپ سے خجل ہو گئے۔ بولے:

"آپ کہاں کے ہیں؟ ہمارا مطلب آپ کا وطن؟"

"جی ——— یہی حیدرآباد دکن ———" اس کے لہجے سے حیرت عیاں تھی۔

"یہ آپ نے کیوں پوچھا؟"

اسی لمحے سلیقے اور نفاست کی پتلی بنی زمانی بیگم بھی کمرے میں آگئی۔ نواب صاحب نے

انہیں نظرانداز کرتے ہوئے حیا سے اپنی بات کا سلسلہ جاری رکھا۔

"اب لہجے اور بات چیت سے توحید آباد کے نہیں دکھتے۔

"اے حضور بات سے بات نکلتی ہے دیکھئے نا، مرد کی فطرت میں خداوند قدوس نے تنوع پسندی اور رنگارنگی رکھ دی ہے۔ آپ جیسے قدرداں جب زحمت اٹھا کر آتے ہیں تو یقینی اپنے ماحول سے ہٹ کر نیا پن چاہتے ہیں۔ آپ کے گھر کی بیگمات اب دکھنی اردو تو ہی ہوں گی ——— یہاں آکر آپ کو ایک نیا پن ملا نا ——— آپ کا دل خوش ہو یہی ہماری زندگی ہے ——— بھرزانی بیگم نے بطورِ خاص نواب صاحب کو خوش کرنے کے لئے کہا "جب آپ کے کم تر لیکن لکھنؤ، دہلی یا شمال کے رئیس امرا آتے ہیں تو میں بٹیا کو کہتی ہوں کہ ان سے دکھنی اردو میں بات کرے کیوں کہ یہ چیز ان لوگوں کے لئے انوکھی اور دل کھینچ ہوتی ہے۔ میری بٹیا دونوں طرح بڑی نفاستی سے بولتی ہے ——— آپ پسند فرمائیں تو وہ آپ سے آپ ہی کے ماحول کی بات کرے ———"

نواب صاحب بیزار ہو کر بولے: "ہم کو ان کی زبان سے زیادہ بے زبانی پسند ہے"
وہ بہرحال ایک نواب تھے اور دل کی بات دل میں نہیں رکھ سکتے تھے۔ ذرا رُک کر بولے:
"اور آپ باتاں بہت کرتے ہیں"

"اے حضور، ساری زندگی ان باتوں ہی کی تو کمائی کھائی ہے" یا بے غیرتی تیرا آسرا۔
وہ مذمت کو بھی جان بوجھ کر تعریف کے زمرے میں گھسیٹ لے گئیں۔ ایک دم انہوں نے ذرا زور سے پکار کر کہا:

"اے وزیرن ——— لڑکیوں میں سے کسی کو بھیجو۔ چائے پانی کا کچھ تو انتظام کرو نیک بخت!"

حجستو ٹھمکتی ہوئی آئی اور بولی: "اماں بی بی ——— نگوڑی چابیاں ہی جنے پڑ گئیں ———"

"وزیر بی سے پوچھا ہوتا ـــــــ" وہ بن کر دشافیکر مندی سے بولیں۔ یا طہورن سے پوچھ لو ـــــــ"

"آئی میرے کو کیا معلوم ماں ـــــــ میں کسی کے لینے میں نہ دینے میں۔ سالے چھوکریاں دن بھر لبستر گھوس لیتے پھرتے۔ ونیچ میں ہوں گی۔ چادراں اُٹھا کر دیکھے کیا؟"

ماما بی نے حلفیہ بیان دُور ہی سے اتنی زور سے دیا کہ نواب صاحب خود ہی بول اُٹھے۔

"کمال کرتے ہیں آپ بھی ـــــــ چابیاں کھو گئے تو کیا فرق پڑ گیا۔ لیجئے یہ بھی آپ ہی کا روپیہ ہے۔ اور انہوں نے پورا تھیلا ہی اُنڈیل دیا۔

حیا نے بڑی تکلیف سے اماں کی طرف دیکھا ـــــــ مونہہ سے کچھ نہ بولی۔

مونہہ سے بولنے کی وہ قائل تھی بھی نہیں ـــــــ بعض لوگوں کو خدا ایسی آنکھیں دیتا ہے جو کئی زبانوں پر بھاری ہوتی ہیں اور حیا کی آنکھیں بھی انہی آنکھوں میں سے تھیں ـــــــ

اس دن جب نواب شوکت تشریف لائے تو زمانی بیگم نے جان بوجھ کر بیٹیا کو تنہائی کا موقع بخش دیا۔

"یاد رکھو!" انھوں نے تنبیہ کی: "تنہائی مرد کو شیر بنا دیتی ہے اور وہ اپنے شیر ہونے کو ایک لمحے کے لئے بھی نہیں بھول پاتا ـــــــ شکار پر جھپٹ پڑنے کو بے قرار ہو جاتا ہے ـــــــ اب یہ تیرا کام ہے کہ تو کس طرح اپنے آپ کو بچاتی ہے۔ جب تک بچی رہے گی اسی تک وہ جھومتا رہے گا ـــــــ آگے پیچھے پیچھے آگے۔ ایک بار اس کے ہاتھ تیرے گریبان تک پہنچ گئے تو سمجھ لینا کہ تیرے سارے منتر اور داؤ اوچھے پڑ گئے:"

حیا نے سوچا: "یہ میری ماں ہے!"

نواب صاحب آتے۔ ان کے آنے میں تو کوئی خاص بات نہ تھی۔ کئی لوگ آتے ہیں

لیکن جب وہ جانے لگے تو حیا کو احساس ہوا کہ اماں کی تجربہ کار اور جہاں دیدہ نظروں نے شاید غلط نہیں سمجھا تھا ـــــ انہوں نے تو جانے کے لئے صرف دیوان چھوڑا تھا۔ حیا کو لگا کہ اس کے دِل نے اپنی جگہ ہی چھوڑ دی ہے۔

جاتے جاتے وہ بڑی لگاوٹ سے بولے :

"آپ کوئی بات تو کرتے ہی نہیں ـــــ ہمارا آنا جانا سب بے کار ہی لگتا ہے ہم نا ـــــ"

حیا صرف مُسکرا کر رہ گئی ـــــ وہ دروازے تک پہنچ کر عجیب سے ترسے ہوئے لہجے میں بولے۔

"خدا کے واسطے ایسے مت مُسکرانا کبھی ـــــ کبھی بھی نہیں ـــــ ہم دِل کے بہت کچے آدمی ہیں ـــــ"

حیا نے وہیں کھڑے کھڑے اماں کی ساری نصیحتوں کو بُھلا کر بے چارگی سے کہا :

"کچھ دیر اور نہیں رُکیے گا ؟" نواب صاحب جیسے اسی ایک جُملے کے مُنتظر تھے۔ تیزی سے پلٹے اور قریب آکر اس بُری طرح حیا کو لپٹایا کہ اس کی سانس اس کے سینے میں گھُٹ گئی ـــــ

ایک طوائف کی سب سے بڑی بدنصیبی یہ ہوتی ہے کہ وہ یہ جملہ نہیں کہہ سکتی :

"کوئی دیکھ لے گا تو کیا کہے گا" اس لئے کہ وہ جانتی ہے کہ اس کی زندگی ہی یہ ہے۔ کوئی دیکھے گا بھی تو کچھ نہیں کہے گا ـــــ کیوں کہ وہ جس منڈی اور جس بازار کی مسند پر بیٹھی ہوئی ہے وہاں سب سے پہلے شرم ہی نیلام ہو چکی ہوتی ہے ـــــ لیکن یا تو یہ تھا کہ حیا کے دِل نے اُسے طوائف ہی نہیں مانا تھا۔ یا پھر یہ تھا کہ شرم و حیا کی پونجی اُس نے ابھی تک سنبھال کر رکھی ہوئی تھی۔ وہ سسکا کر بولی :

"خدا کے لئے نواب صاحب کوئی دیکھ لے گا تو کیا کہے گا ـــــ" نواب صاحب

اس وقت ایسی سلطنت کے بادشاہ تھے جس کے چھن جانے کا دُور دُور تک شائبہ
خوف نہ تھا۔ بڑے مضبوط لہجے میں بولے :
"کوئی دیکھ لے گا تو کیا کہے گا ——— یہی کہے گا کہ ایک دُولہا اپنی دُولہن کو
پیار کر رہا ہے "
"نہیں ———"
"نہیں ——— نہیں ———"
وہ چیخ اٹھی : "یہ جھوٹ ہے ——— یہ جھوٹ ہے ——— میری دُنیا کی کسی عورت
نے آج تک اتنا بڑا فریب نہیں سہا۔" اس نے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ لئے ——— اس کا
نازک وجود کانپے جا رہا تھا ———
"میری دُنیا ——— ؟" نواب حیرت سے بولے۔
"تمہاری دُنیا ——— ؟ وہ کون سی دنیا ہے ؟ نادان لڑکی ہم تمہیں اپنی پناہ میں لے
لئے تو ہماری تمہاری دُنیا تو ایک ہو گئی نا ؟"
اس نے دَھڑ دَھڑ دھڑکتے دِل کو تھاما۔
"کان یہ کیسی انہونی باتیں سُن رہے ہیں خُدایا۔ کہیں گر کر بے ہوش نہ ہو جاؤں ———
اس نے دیوان کے کونے میں ٹک کر اپنے آپ کو سنبھالا۔
"آپ کو پتہ ہے نواب صاحب۔ یہ ہماری محض تیسری ملاقات ہے :
"جی ہو ——— پھر ؟" وہ حیرت سے بولے۔
"اور تین ملاقاتوں میں ہم نے ساری باتیں جوڑیں تو پانچ منٹ بھی باتیں نہیں
کی ہیں "
"یہ بھی ٹھیک ہے ——— پھر ؟"
"آپ کو تو ابھی یہ بھی اندازہ نہیں کہ مَیں کون ہوں۔ کیا ہوں۔ قدرت نے مجھے کیر

مقام ریٹھ ایا ہے ـــــ میرے شب و روز کیسے گزرتے ہیں ـــــ میرے ان ہاتھوں پر ہر روز کس کس کے نام کی مہندی رچائی جاتی ہے ـــــ کس کس کے پھینکے گئے روپیوں کی جھنکار پر میرے قدم تھرکتے ہیں ۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ میں نے ابھی تک اپنے آپ کو کھویا نہیں ہے ـــــ لیکن سرکش ہواؤں کے زوردار تھپیڑوں کے آگے کب تک میں اس قندیل کو جلائے رکھ سکوں گی ؟ اس بازار کے خریداروں میں آپ بھی تو نہیں ہوں گے اور پھر یہ تو قانونِ قدرت ہے کہ پھل پک جائے تو اُسے توڑ لیا جاتا ہے "۔ اس کے خوب صورت جملوں کی کاٹ سے نواب صاحب سراسیمہ ہوتے جا رہے تھے ـــــ وہ چپ ہوئی تو وہ بھی دھیرے دھیرے چلتے ہوئے اس کے بازو ہی آکر ٹک گئے ۔

"ہم خود مختار ہیں ـــــ" وہ اتنا ہی بولے ـــــ اس نے ہلکی سی قاتل مسکراہٹ سے انہیں دیکھا ۔

"اپنے محل کے بڑے بھی ہمی ہیں ـــــ چھوٹے بھی ہمی ـــــ ہم اگر تم کو اپنا لئے تو ہمیں کون منع کرنے چلا ؟"

"آپ نے تو دراصل اس سلسلے میں مجھے بلوایا تھا نا کہ آپ اپنی شادی کے جشنِ مبارک کے موقع پر اپنے حلقۂ احباب میں میرا رقص اور سنگیت پیش کرنا چاہتے تھے ـــــ آپ بھول گئے ہوں تو یاد دلا دوں ۔ اگلے مہینے کی ہی کسی تاریخ میں آپ کا عقدِ مسعود منعقد ہوگا اور میں حسبِ وعدہ اس میں ناچوں گی ـــــ آپ کے احباب اور حیدرآباد کے امراء اور روساء کا دل بہلاؤں گی اور جب سجی سجائی پالکی میں آپ دلہن کو محل لے آئیں گے اور آپ کے سہرے پھولوں کی پتیاں گریں گی ، اور دلہن کے گجروں سے مسلی مسلائی کلیاں ٹوٹیں گی تو میں وہی پتیاں اور وہی مسلی ہوئی کلیاں سمیٹ کر اپنا دامن بھر لوں گی اور سوچوں گی : یہ رات میرا بھی مقدر ہو سکتی تھی !"

نواب شوکت چلائے : "یہ رات میرا بھی مقدر ہو سکتی تھی ۔ نہیں ! وہ ہوگی ۔

ہو گی اور ضرور ہو گی ـــــ"

نواب شوکت کی آواز ـــــ توروالاّماں ۔ دوسرے کمرے میں پہنچی تو زمانی بیگم لپکی آئیں ـــــ دروازے پر ٹھٹکا کر انہوں نے گویا صاف کیا تاکہ بےترتیب حالت میں ہوں تو نواب صاحب ذرا سنبھل کر بیٹھ جائیں لیکن وہ خود ہی سنبھلے سنبھلاتے تھے ـــــ البتہ حیا کی آنکھیں تو خوشی غم اور ناقابلِ یقین خوش آئند واقعات کے احساس سے گیلی گیلی سی تھیں ۔

"اے حضور ـــــ میں نے کہا نقیب و دُشمناں طبیعت تو ٹھیک ہے ؟"

"جی ـــــ جی ـــــ نہیں تو ـــــ ہم بالکل اچھے ہیں ۔ خدا کی مہربانی ہے ۔ اب ہم چلیں گے ـــــ"

"اے ہے قبلہ ـــــ ابھی آئے ابھی چل دئے ـــــ ابھی تو رات نے اپنی آنکھیں کھولی ہی ہیں ۔ ابھی تو جیسے جیسے رات کی زُلفیں اپنی سیاہی کو گہرا کریں گی ، ویسے ویسے چاہتوں کے اُجالے دلوں کو روشن کریں گے ـــــ پھر رات پڑھ لے تو حضور ٹیلے رات کا راگ اور مالکوس سُنیں یا چاند کونس یا مدھ کونس سُن لیں ـــــ اُترتے سُروں کے دل میں گھر بنانے والے راگ تو سرکار آدھی رات کو ہی سُننے جاتے ہیں ۔ اور درد کی وہ لذت بخشتے ہیں کہ آنکھوں تک آتے آتے آنسوؤں کو بھی انسان دوبارہ دل میں انڈیل لے اور حضور آنسو بہہ گیا تو دل صاف اور ہلکا ہو گیا ۔ مزا تو یہی ہے کہ آنسو آنکھ کی بجائے دل میں کھنکتا رہے ـــــ کھنکتا رہے ، سارے وجود کو رُلاتا رکھے ، مگر آپ نہ بہے ـــــ" وہ اُٹھ کر سانڈل والے گدیلے پر جا بیٹھیں ۔

"آ دو بیٹی ـــــ نواب صاحب آئیں اور یوں ہی چلے جائیں ـــــ نقیروں کی سوغات تو یہی سُر ہیں ۔"

اس عرصے میں نواب شوکت بار بار آتے اور ہر بار تہی دامن لوٹتے ـــــ وہ ہر بار

اطلاع کروا کر آتے ـــــ پہلے خادمِ خاص اُن کا سندیسہ آکر پہنچا جاتا ـــــ پھر سورج ڈھلتے ڈھلتے ان کی شاندار بگھی بھی چوک پہنچ جاتی ـــــ زمانی بیگم روز کی طرح کئی گھنٹے سے سجی بنی، اپنی ساری قوم کو بھی سجائے بنائے رکھتیں ـــــ حیا کو تمثیل مثال کر جبراً تیار کروانا پڑتا ـــــ اُن کی ایک بھی ادا تو کم بخت میں نہیں آئی تھی ـــــ اور یہی غم انہیں کھائے جاتا ـــ نہ پہننے اوڑھنے کا شوق نہ کھانے کھیلنے کا ـــــ نہ مردوں سے آنکھیں لڑانے کا نہ چونچلے دکھانے کا ـ اس عمر میں تو شریفوں کی لڑکیاں بھی بہن اوڑھ کر غلیلے، ممیرے پھپھیرے بھائیوں کو اپنی چھب جھجک دکھا کر نخرے کر کے دل جیتنا چاہتی ہیں ـــــ یہ رنڈی زادی ہو کر بھی سات پردوں میں چھپی بُربو بن کر رہنا چاہتی ہے ـــــ کیا حسن پایا ہے کم بخت نے اور کیا جسم دیا ہے اس کو مالک نے ـــــ کیا آنکھیں دی ہیں ربِ کریم نے اور نگاہوں کا انداز ؟ تیلی ناک جس کے کاٹے کا منتر مل جاتے ـ مگر اس کے ایک اندازِ نظر کا مول نہ ملے ـــــ لیکن کم بخت نامراد ـــــ نہ سنگھار کرے، نہ کپڑے لتے میں دلچسپی لے ـــــ زیور سے تو نگوڑی کو باپ مارے کا بیر ہے ـــــ ذرا پہنا اوڑھا دوں تو میری اپنی نظر لگنے لگتی ہے، تو مردوں کا تو کیا حال ہو جاتے ـــــ لیکن نامراد کو مذہب کی تعلیم اور ترجمے سے قرآن شریف پڑھانا ہی حرام ہو گیا ـــــ رقص نہیں کریں گی کیوں ؟ بدن کھل جاتا ہے! ہوں شریف زادی! بار ـ ت میں مجھی کو اُلٹے طعنے دے گی ـــــ ہونہہ ـــــ شادی کر کے بچے پیدا کرے گی ـــــ ہانڈی ڈوئی کرے گی ـــــ اسی لئے نامراد پر اتنی محنت کی ـــــ نہ دن کو دن سمجھا نہ رات کو رات ـــــ سنگیت پورا کا پورا جتنا میرے اندر تھا سب اس کے اندر انڈیل دیا ـــــ رقص کی وہ تعلیم دلوائی کہ چاہے تو اپنے رقص کے بل پر ساری ریاست حیدرآباد دکن کے مردوں کو تگنی کا ناچ نچوا دے ـــــ لیکن اڑیل ٹٹو نے تب نا ـــــ زیادہ جور جبر کرو تو رونے بیٹھ جاتی ہے ـ روئے تو منہ سوج کر تھتھا بن جاتا ہے ـ پھر ہوا گاہک آتے تو کیسے اس کا دل آئے ـــــ ایسے شاعرانہ مزاج کے لوگ کتنے آتے ہیں جو روتی روتی آنکھوں اور

سوگوار حسن پر اپنا آپ فدا کر دیں ——— ہوبہو ——— اُس دن نواب صاحب نے راگ شُدھ کلیان سُن کر کیا کیا تعریفیں کی تھیں ——— ڈھلتے سُورج کی سونا بکھیرتی کرنوں کا جال تھا، اور راگ کِدارا ——— ہے ہے نواب شوکت تو جی جی کر مرے اور مَر مَر کر جیے۔ اِن کے لئے بعد میں میں نے یوں ہی اس کا دِل بڑھانے کو کہا کہ دیکھا نواب صاحب کی کیا حالت ہو رہی" تو اُنشا ممّی سے کہنے لگی: "ساری زندگی ٹھنڈے پانی کو ترسا ترسا کر آپ نے مجھے مارا ہے سدا گرم پانی پلایا کہ ٹھنڈے پانی سے گلے کی رگیں مرجاتی ہیں اور گانا ٹھیک سے نہیں گایا جاتا۔ آپ کو پتہ ہے آپ نے مجھے خداوند تعالیٰ کی کتنی عظیم نعمت، ٹھنڈے پانی سے محروم رکھا ہے۔ حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سرد پانی بے حد عزیز تھا ——— کیسی بدنصیب ہوں میں کہ ایسی آسان سُنت کو بھی نہ اپنا سکی ———"

"اے لو ——— ٹھنڈا پانی پلا پلا کر کیا مجھے اس کی جوانی اور اپنا بڑھاپا خوار کرنا تھا ——— اب میں کہوں کنکنے پانی میں بھلا کیا بُرائی ہے ——— کیا ہم نے نہیں پیا ——— لیکن نہیں، وہ تو مجھے رسوا کرنے پر ہر بات میں بس مذہب کو لے دوڑے گی ——— اب آج کم بخت ذرا تو بچر بچر کرے ——— آج یا وہ نہیں یا میں نہیں ——— اور اسی تہیہ کے ساتھ وہ اُٹھ کر حیا کے کمرے میں پہنچیں۔

"حیا بیٹی ———" انہوں نے بڑے دُلار سے اسے مخاطب کیا ——— لیکن حیا کو دیکھتے ہی وہ ہک چک رہ گئیں ——— آج حیا بارہ ابرن اور سولہ سنگھار کئے دُولہن بنی، جنّت کی شنگیدہ حوروں کو شرما رہی تھی۔ ساری زندگی سے مردوں کی رگ رگ کا بھید جاننے والی کو سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ ایک مرد نے اپنا وار چلا دیا ہے ——— نتھ اُترنے تک ہر شام کو طوائف زادی کو سنگھار پٹار کے لئے کسنا اور رچانا پڑتا ہے۔ جب طوائف زادی خود سے آئینے کے سامنے جا بیٹھے تو سمجھو کہ نتھ خطرے میں ہے ——— ایک شریف زادی کی طرح، نتھ کی بھی اپنی ایک عزّت ہوتی ہے اور اسے عزّت کے ساتھ اُتارا جانا چاہیئے۔ نتھ اُترنے کی

عزت یہ ہے کہ ایک موٹی رقم اور تمام جہام کے ساتھ اترے ـــــ یہ نہیں کرامات کے سناٹے میں دو ہاتھ بڑھیں، بدن پر سرسرائیں ـــــ سانسوں سے سانسیں ٹکرائیں، جسم کا کورا پن سمٹیں اور تھ جہاں کی تہاں!

زمانی بیگم جہاں دیدہ تھیں ـــــ ایک لفظ بھی نہ بولیں ـــــ بلکہ اپنے انداز سے یہ ظاہر کرتے ہوئے کہ وہ بیٹی کے اس انداز سے بہت خوش ہوئی ہیں، اپنے پیچھے دروازہ بھیڑتی ہوئی دوسری لڑکیوں کے کمرے میں چلی گئیں۔

نواب شوکت آئے ـــــ مدتوں بیٹھے رہے ـــــ جھنو، دلارن، صابرہ اور جنے کون کون سڑی ماری لڑکیاں، پھوہڑپن سے سجی بد سلیقگی سے سنوری آآ کر بیٹھتی، بیٹھ بیٹھ کر اٹھتی گئیں ـــــ لیکن وہ نہ آئی جس کا انہیں انتظار تھا۔

ادھر حیا ستارہ کے تار کی طرح تنی بیٹھی ہوئی تھی۔ لوگوں کے آؤ جاؤ کے سے اسے اندازہ تو ہو ہی گیا تھا کہ نواب صاحب بھی کے آئے بیٹھے ہیں لیکن کوئی اسے نیوتہ یا سندیسہ دینے نہیں آیا ـــــ کیوں نہیں آیا؟ یہ وہ جان نہ پائی اور لاکھ دہ ہزار جانوں سے نواب صاحب پہ فدا ہو چکی تھی وہ یہ کبھی گوارا نہ کر پاتی کہ خود سے نہ بلائے چلی جاتے ـــــ اماں کی تعلیم کو اس نے سدا اِس کان سے سُن کر اُس کان سے اُڑا یا تھا لیکن محبت کے اس وقار کو تو وہ خود بھی جانتی اور مانتی تھی کہ محبت میں پہل اور پیش قدمی عورت کی طرف سے نہیں ہونی چاہیئے ـــــ اُسے یقین تھا کہ اُدھر نواب صاحب بھی اس کے لئے بے چین ہو رہے ہوں گے؛ ـــــ اس کا فن ابھی تک فرش اور مسند تک ہی محدود تھا۔ بستر تک نہیں پہنچا تھا۔ فرش جہاں

وہ رقص دکھاتی ـــــ مسند جہاں بیٹھ کر وہ موسیقی کا سحر گھولتی ـــــ اٹھارہ سال کی وہ ہو چکی تھی۔ لیکن بستر اکھڑا اکھڑا تھا ـــــ وہ ایسی طرح جانتی تھی کہ کئی ہاتھ اس کی طرف بڑھتے ہیں کہ فرش اور مسند سے اُٹھا کر اسے بستر تک پہنچا دیں ـــــ لیکن وہ آج تک اپنے آپ کو بچانے میں کامیاب رہی تھی ـــــ زمانی بیگم ادھر اپنے حسابوں یہ سمجھتی تھیں کہ میں بٹیا کو سنبھال سنبھال کر رکھ رہی ہوں اس لئے کہ موتی کا نتھ دیکھ کر نتھ کا پورا مول لوں گی۔ حالانکہ حیا کو ہنسی بھی آتی تھی۔ لاکھ اپنے وعظوں اور تجربہ کارانہ اسباق و سباق کے باوجود اماں شاید یہ بھول جاتی ہیں کہ طوائف کی دُنیا میں وہ عورت ہوتی ہے جو اندھیرے اُجالے اکیلے دُکیلے کہیں بھی بے دھڑک آ جا سکتی ہے کہ اسے عزت لُٹنے کا ڈر نہیں رہتا ـــــ کوئی شریف لڑکی یا عورت اندھیرا پڑتے ہی سرِ راہ جانے سے ڈرتی، جھجکتی ہے کہ کہیں کوئی عزت نہ لُوٹ لے ـــــ عزت لُٹنے سے وہی تو ڈرتا ہے، جس کے پاس عزت ہو ـــــ طوائف کیا اور اُس کی عزت ہی کیا ـــــ اب اماں جو مجھے زمین میں گڑے دفینے کی طرح سمجھ کر سانپ بن کر پہرا دیتی رہتی ہیں۔ اگر میں کہیں اپنی عصمت کا موتی کھو آؤں تو کیا ہوگا؟ یہی ناکہ اماں کو نتھ اترائی کی موٹی رقم نہیں ملے گی۔ چوک میں کوئی زلزلہ نہیں آ جاتے گا ـــــ لوگ اپنا کام کاروبار نہیں چھوڑ بیٹھیں گے ـــــ دُنیا تہہ و بالا نہیں ہو جائے گی۔

میں بھی یہی رہوں گی ـــــ کیا میں بدل جاؤں گی؟ اس زندگی میں آخر رکھا ہی کیا ہے ـــــ کب تک یہ عزت سنبھلی رہے گی؟ اور کون بے حس ہوگا جو مجھے خرید لے جائے گا ـــــ ایک دم بے پناہ اس کا جی چاہنے لگا ـــــ مجھے کوئی نہ خریدے ـــــ مجھے کوئی ایک پائی تک نہ دے ـــــ بس مجھے نواب شوکت بیاہ لے جائیں ـــــ چاہے وہ تیرھاوے میں ایک ماشے کا زیور نہ لائیں ـــــ چاہے آڑے ڈنڈے کی کھڑی ڈولی میں بٹھا لے جائیں۔ موٹے جھوٹے سرخ ململ کا سہنرا گھونگھٹ اور مدرے کا جوڑا چوکی کے تھال میں سجا کر لائیں، لیکن اپنی دُلہن بنالیں ـــــ

خیالات کی ایک رَو تھی کہ اُسے بہائے لئے جاتی تھی ـــــ اسی سوچ میں پتہ نہیں

کس انجانے جذبے کے تحت اس نے اپنے ماتھے تک اپنا کامدار دوپٹہ کھینچ لیا ـــ کوئی دیکھتا تو سمجھتا پلنگ پر کوئی دلہن بیٹھی ہے ـــ اسی لمحے کسی نے اس کا سچ مچ ہی گھونگھٹ اُٹھا دیا ـــ اس نے چونک کر دیکھا اور دوسرے ہی لمحے بوکھلا کر سر و قد کھڑی ہو گئی۔

"آپ یہاں ـــ ؟" اس کے حیرت زدہ انداز پر نواب شوکت ہنس پڑے۔

"کیمپ ہم ہی تو ہیں ـــ اس میں اتنی حیرت کی کیا بات ہے ؟" اس نے ذرا ڈر کر اِدھر اُدھر دیکھا ـــ بولی کچھ نہیں ـــ نواب شوکت ہنسنے لگے۔ ہنستے ہنستے بولے :

"آپ کی اماں جان سے پوچھ کر ہی ہم یہاں آتے ہیں"

حیا سخت حیرت زدہ ہو رہی تھی ـــ وہاں دیوان خانے میں تو نہیں بلوایا اور یہاں خود سے بھجوا دیا۔

ایک دم اس کا خون کھول اُٹھا ـــ وہ ماں کی چال سمجھ گئی ـــ اس کمرے میں، اس کے خاص کمرے میں جو اس نے بے حد نفاست سے سجا رکھا تھا جو اس کی نفاست پسند طبیعت اور پاکیزہ فطرت کا مظہر تھا جو سدا خوشبوؤں سے مہکا رہتا تھا ـــ جس کے بستر پر بے حد سفید جھاگوں ایسی چادر اور جھالروں لگے سفید اور ملائم پروں والے تکیے سجے رہتے تھے۔ پائنتی ریشمی سفید لائی تہہ کی ہوئی دھری رہتی تھی اور سدا ہر موسم کے پھولوں کے گجرے سرہانے جھکتے رہتے تھے اور پھر وہ تو خود ایک کلی کی طرح نازک اور کلی ہی کی طرح اپنی خوشبو آپ چھپائے اسی بستر پر سجی رہتی تھی۔ یہ سب کچھ یہ سارا ماحول ایک مرد ایک ترسے ہوئے مرد کے لئے کیا بھرپور بلاوا تھا

اس کے وجود میں چنگاریاں بھر گئیں : "آج مجھے نہ بلا کر اکیلے میں اماں نے کہیں تمہارا تمردانی کی بات تو نہیں کی ـــ" اس نے اپنے حک و شبے کی گرد جھٹکنے کی کوشش نہ کی تو نواب صاحب خود ہی بولے :

"تمہارے چہرے پر سوچ بچار کیوں ہے یہ ؟" وہ وہیں، اس کے اپنے کنوارے

بستر پر ـــــ اس کے کنوارے جسم کے بے حد قریب بیٹھ چکے تھے ـــــ وہ ذرا پرے کھسک کر بولی:

"جی ـــــ نہیں تو۔ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے ـــــ آپ کی تشریف آوری تو میرے لئے خوشی کا باعث بنے گی نہ کہ فکر و تردد کا ـــــ" وہ جب تک یہ بات کہتی رہی وہ صرف اس کے رس بھرے ہونٹوں کو دیکھتے رہے ـــــ پھر جیسے ہار کر بولے:

"آپ کے یہ ہونٹاں ـــــ پھر ایسے باتاں ـــــ خدا نے ہر چیز ـــــ ہر اچھی چیز کیا آپ کو ہی دے دی کیا؟" وہ بُری جھینپ گئی ـــــ سچے موتیوں کی طرح سچی شرم کی بھی ایک اپنی آب ہوتی ہے، جو چہرے کو جگمگا دیتی ہے ـــــ اس ایک لمحے میں حیا اس قدر خوبصورت ہو گئی کہ وہ پاگل ہو گئے۔

"حیا ـــــ" وہ جذبات سے بہکتی ہوئی آواز میں بولے، "ہم امّی حضور کو بول دئے کی ابھی ایک سال تک شادی کا مت بولو آپ"

حیا ایک دم بولی: "صرف ایک سال؟ اس کے بعد کیا ہوگا؟ کیا ایک سال میں آپ مجھ سے اُکتا جائیں گے؟"

"اُفوہ ـــــ" نواب صاحب سر پر ہاتھ مار کر بولے: "ہم کیا کہنا چاہے اور آپ کیا سمجھے ـــــ ہم آپ کو کیوں سال بھر میں چھوڑ دیں گے بھلا ـــــ وہ تو فقط امّی حضور کو ٹالنے کے واسطے بولے ـــــ" وہ اس کے کان کے قریب اپنا منہ لا کر بولے:

"ہم تو باقاعدہ آپ سے شادی کریں گے ـــــ"

اچانک کمرے میں نانی بیگم داخل ہوئیں اور تیزی سے بولیں:

"نواب صاحب شادی وہ کرے جسے اپنی زندگی خوار کرنی ہو۔ کہیں شریف زادوں نے ڈیرے والیوں اور چوک والیوں سے زندگی نبھائی ہے؟ چاندنی بنی بولی

لئے پھر تو کدھر میں کدھر ـــــ میں جانتی ہوں کہ ایسی شادیاں بھی ہوتی ہیں ـــــ باقاعدہ ہوتی ہیں لیکن مرد کو خدا نے بہت بڑی چھوٹ دے رکھی ہے ـــــ ہے تو چھوٹا سا لفظ ـــ طلاق ـــــ لیکن اس سے بڑے بڑے معرکے سَر کئے جاتے ہیں ـــــ" نواب شوکت حیرت سے ان کی باتیں سُن رہے تھے۔ حیا اپنی جگہ الگ خجل ہوئی جارہی تھی۔

" مجھے کوئی تو قانون ایسا بتایئے جس سے آپ میری بیٹی کا ہاتھ تھامیں تو اپنی زندگی کے آخری لمحے تک اُسے نہ چھوڑیں ـــــ دعوتی رقعوں پر آپ بڑے کروفر سے چھپوائیں گے ـــــ " شادی خانہ آبادی " لیکن وہ جیسی خانہ بربادی ہوگی میں ابھی سے جانتی ہوں ـــــ آپ کو میری بیٹی پسند آگئی ہے تو سیدھی سی بات کر لیجئے نا ـــــ یکمشت رقم تھما دیجئے گا یا ماہانہ یا سالانہ ـــــ ویسے ۔ ۔ ۔ ۔ "

" اماں ـــــ " حیا کانوں پر ہاتھ رکھ کر اتنی زور سے چلائی کہ نواب شوکت بُری طرح چونک پڑے ـــــ پھر دونوں ہاتھوں سے مونہہ چھپا کر وہ سسک سسک کر رو اُٹھی ـــــ

" اماں بزرگوں سے تو یہی سُنا کہ عورت اور کھانا ہمیشہ ڈھانک کر رکھو ـــ لیکن اماں آپ نے تو مجھے بالکل ہی کھول کر رکھ دیا ـــــ تھال میں سجا کر پیش کر دیا۔ کیا میں ایسی گئی گزری ہوں ـــــ کیا واقعی میری کوئی عزت نہیں ؟ " اس کا دُلہن کی طرح سجا ہوا رُوپ رونے اور دل کی جلن کے تپنے سے اور بھی نکھر آیا تھا۔ نواب شوکت کو اسے نظر بھر کر دیکھنا دُوبھر ہو گیا ـــــ وہ ایک دم نکھرتے ہو گئے ـــــ انہوں نے اپنا ہاتھ حیا کے شانے پر رکھا اور بڑے عزم سے بولے :

" ہم آپ کو بیاہ کر لے جائیں گے اور وعدہ کرتے ہیں کہ سدا آپ کو ڈھانک کر رکھیں گے ـــــ "

دھاگے ناتی۔ تاکے دھن نا ــــ چھمن خاں ٹھیکہ لگا رہے تھے ــــ دلارن اور جیتو تھرک رہی تھیں ــــ زمانی بیگم نے دیکھا، پھر تج بج ہو کر بولیں: "یہ رقص ہو رہا ہے نگوڑی ــــ"

سانسوں سانس ہوتی ہوئی لڑکیاں رک گئیں اور حیرت سے بولیں:

"جی ــــ؟"

"یہ پیر کیسے پڑ رہے ہیں۔ تمہارے باوا نے کبھی ایسا ناچ نچایا تھا؟"

صابرہ جیسے ہار کر بولی: "اماں ہمارے رقص کی تو سارے رجواڑے میں دھوم ہے ــــ"

"اے ایسی ڈِل میں گھر کرتی گت پر ایسا بھونسڑا رقص؟ دھاگے ناتی۔ تاکے دھن نا۔ دھاگے ناتی۔ تاکے دھن نا۔ آہا ــــ ہا" وہ جھوم کر بولیں "کیا بات ہے تال کہروا کی ــــ دھاگے ناتی۔ تاکے دھن نا ــــ تم موئی بھینسوں کو تو ایسی لہر بہر گت پر بھی ناچ نہیں سوجھتا ــــ میں تو موئی نبض کی دھک دھک پر بھی دنیا کو نچا کر رکھ دوں ــــ"

دلارن پاؤں پسار کر وہیں بیٹھ گئی "اے سچ اماں ــــ بتایئے نا آپ نے اب تک کتنوں کو نچایا ہے ــــ لگتی تو آپ اب بھی کانٹا ہیں ــــ"

"اب بھی ــــ؟ دیکھو بھئی اس "اب بھی" میں تو ذلت کا پہلو نکلتا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ اب وہ بات نہیں رہی لیکن ایسے بھی گئے گزرے نہیں ہو گئے ہم ــــ ایسا ہی ہے تو تم میں سے کوئی لڑکی سُر نکالے ــــ پھر میں بھی نکالوں ــــ بیبیو۔ سا۔ رے، گا، ما، پا، دھا۔ نی تو کوئی سڑک چلتا بھی رک کر بتا دے کہ ہاں سات سُر شدھ ہیں۔ کھرج۔ رکھب۔ گندھار۔ مدھم۔ پنچم۔ دھیوت۔ نکھاد انہی کے چھوٹے۔ بچکانہ پیار کے مختصر نام کہہ لو یہ سارے گاما پا دھانی ہیں۔ لیکن کوئی یہ کر کے بتاتے اور ایسا سچا سُر

نِکالے کہ بہتا پانی رُک جاتے ـــــ بُجھتا ہُوا چراغ دم پکڑ لے ـــــ ارے یہ نہیں تو کم از کم ہَوا ساکت ہو جاتے ـــــ اب تُم سے کیا بتائیں چاند نکلنے پر مَسند سنبھالتے تھے اور سُورج کا مونہہ دیکھ جاتا تھا پر نہ سُننے والوں کے دِل بھرتے تھے نہ گانے والی گانے اور سُر کا حق ہی ادا کر سکتی تھی ـــــ ہائے کیا دِن تھے ـــــ ایک تُم ہو کہ کبھی مرکا تیں ہوا اور ایک وہ ہماری بادشاہ زادی ہیں ـــــ کہتی ہیں محفلوں میں گاتے ہوئے شرم آتی ہے۔ وہ تو اب تخلیے میں بیوی بن کر لجائیں گی۔ شرما شرما کر بیڑے بنا بنا کر میاں کو دیں گی اور انہی کی فرمائش پر میاں کی ملہار گائیں گی ـــــ ہو تہہ ـــــ"

"آپ کو یہ سب بُرا لگے گا اماں؟" جانے کب سے حیا پیچھے آکھڑی ہوتی تھی۔ اور ساروں کی باتیں سُن رہی تھی ـــــ اس کی دھیمی آواز پر زمانی بیگم نے پلٹ کر دیکھا بولیں تو یہ بولیں:

"تمہیں تو اچھا لگتا ہے نا ـــــ بس ٹھیک ہے اور سُنو تُم نہار ہی تہیں، تمہاری سُسرال سے سندیسہ آیا تھا۔ تمہارے میاں آرہے ہیں ـــــ" انہوں نے لہجے کا زہر سارا کا سارا "تمہارے میاں" میں گھول کر کہا۔

اِدھر کی رات اُدھر ڈھل گئی۔ چاند پھیکا پڑ گیا ـــــ تارے سفیدی مائل ہو کر نور کھونے لگے، لیکن نواب شوکت کی آنکھیں اُس چاند کا طواف کرتے نہ تھکیں جو جگمگاہٹ میں آسمان کے چاند کو بھی نیچا دِکھانے پر تلا ہوا تھا۔

"ہم کتنے بار تمہارے گھر آ چکے ہیں حیا۔ تُم ہمارے محل میں کبھی تو آؤ۔"

"آپ کے محل کا زینہ چڑھ تو جاؤں گی، مگر دوبارہ پستی کو گلے نہ لگا پاؤں گی۔" نواب صاحب اُسے مُسکرا کر دیکھنے لگے تو وہ کہے گئی:

"اتنی بلندی عطا کئے بعد پستی کی راہ نہ دِکھایئے گا، حضور، ایک بار گھول رہے ہیں

اُسے میرے داخل ہوتے ہی بند کر دیجئے گا تاکہ نکلنے کی کوئی راہ میرے لئے باقی نہ رہے۔"

"کیا ہماری بات پر تم کو یقین نہیں ہے حیا؟"

"آپ کی بات پر یقین کیسے نہ کروں گی ـــــ لیکن نواب شوکت میری زندگی تو ایک شیشہ ہے جو چٹخ گیا تو میرے اپنے ہی دو چہرے ہو جائیں گے ـــــ آپ کون سے چہرے کا اعتبار کریں گے؟" ایک دم نواب صاحب اُٹھ کر کھڑے ہوتے۔ بولے:

"واقعی ہم یہ بار بار کے آنے جانے میں ہی رہ گئے ہیں ـــــ بس اتنا بھی نہیں خیال کرے کی آخر آپ کے اماں جان کو شادی کی تیاری کے واسطے کچھ رقم دینا چاہیئے ـــــ" وہ اُٹھ کر دوسرے کمرے کو چل دیئے ـــــ حیا نے سخت ذلت محسوس کی۔ "یہ کن گھرانوں میں ہوتا ہے کہ لڑکی کے دان دہیز کے لئے خود لڑکے والے ہی رقمیں دیتے پھریں" وہ اپنے آپ ہی سوچتی، اُلجھتی، کسمساتی رہی۔

دوسرے دن زمانی بیگم نے بڑی خوشی سے سرگوشی میں بتایا کہ نواب صاحب اتنے اُتنے بھی نہیں پورے پچاس ہزار روپے اس کی شادی کے سلسلے میں بھجواتے ہیں ـــــ اُن کی سانسیں مارے جوش اور خوشی کے اُتھل پتھل ہوتی جارہی تھیں ـــــ زندگی میں اتنی بڑی رقم اُنہوں نے خواب میں بھی نہیں دیکھی تھی ـــــ دیکھے گا کیا سوال تھا سوچی تک بھی نہ تھی ـــــ وہ تو تیرے میرے سے صرف تھوڑائی کے ہی زیادہ سے زیادہ بیس ہزار طے کرنے پر تلی ہوئی تھیں ـــــ

ایک عجیب چمک دار خیال اُن کے ذہن میں طلوع ہوا۔ کیا ہی اچھا ہو کہ نواب صاحب بٹیا کو بھلے بیاہ کر ہی سہی لے تو جائیں لیکن چند روز بعد دل سے اُتر جاتے تو یہیں پھینک جائیں ـــــ یہ پچاس ہزار تو مل ہی گئے ـــــ پھر تو جب تک بٹیا کی جوانی باقی ہے۔ راتیں آباد ہیں، اور تجوری سہاگن کی طرح لدی پھندی ہے ـــــ اے اللہ ایسا ہی ہو ـــــ نواب صاحب کے دل پر سے بٹیا اُتر جاتے ـــــ شادی کر کے بے بھی جائیں گے تو برابری

کا درجہ تو دیں گے نہیں ـــــ لے لاکھ رگڑ سے گھوڑوں کے اصطبل میں بادعدہ، رہے گا تو وہ گدھا ہی ـــــ اس نامُراد کو محل کی خاندانی بیبیوں میں لے جا کر بٹھال بھی دیں گے تو بے گی تو وہ بازاری اور طوائف زادی ہی ـــــ وہ عزّت کہاں لے گی ـــــ اور میں اپنا آئینہ کمبہ لے کر کہاں بھلا محلوں میں بٹھاتی جاؤں گی ـــــ ہم جیسیوں سے زیادہ سے زیادہ باہر ہی بیٹھکے آباد ہوتے ہیں ـــــ گھروالی بننا کہاں ہم کوٹھے ڈیرے والیوں کے نصیب میں۔

ماں کی دُعاءمیں خدانے واقعی اثر رکھا ہے کہ قبولیت کا درجہ جلد ہی پالیتی ہیں۔

اس دن جمعرات کو زمانی بیگم حسبِ دستور اپنی لڑکیوں کی پلٹن کے ساتھ درگاہ شریف جاتی تھیں ـــــ حیا نہا کر اُٹھی تو جی کچھ کسا سا ہو رہا تھا ـــــ زمانی بیگم نے دیکھا کہ مونھہ سُرخ ہو رہا ہے۔ لٹوں لٹوں موتی موتی پانی ٹوٹ رہا ہے ـــــ سوچا ایسے بھیگے بالوں سے مزاروں میں کہاں لئے لئے پھروں، ایسا ہی ہے تو اگلی جمعرات کو چلی جائے گی۔ اسے منع کر دیا۔ باہر جاتے ہوتے وہ کوئی زیور سنگھار پٹار نہیں کرتی تھیں ـــــ گلے سے نسّی ہاتھوں سے پہونچیاں اُتار کر مٹّی کے گھلے، ہاتھوں میں ڈالیں، وہ ناں ناں کرتی ہی رہی۔ کہا "اب کہاں ٹیا صندوقچی کھول کر قفل چابی کرتی بیٹھوں،" گلے کے پیروں سے پاؤں زیب بھی اُتار کر اس کے موم جیسے پیروں میں ڈال دئے ـــــ اب بڑھاپا آیا تھا تب سے بجاتے بھاری پیتل کے گھنگرؤں کی جوڑیوں کے، یہی چاندی کے ہلکے وزن کے لیکن بجنے والے ریشمی گھنگرو والے پازیب، لڑکیوں کو رقص سکھاتے وقت پہن لیا کرتی تھیں ـــــ حیا آئینہ اُٹھا۔ گھر میں زیور پہنتی ہی یہی تھی ـــــ یوں گوندنی کی طرح لدگئی تو بے تحاشا آئینہ یاد آیا جھٹ نے زبردستی آنکھوں میں کاجل بھر دیا تھا، اور لالی کی آنگلی ہونٹوں پر پھیردی تھی ـــــ موتی برساتے لانبے گھنے بال کھلے پڑے پیٹھ پر، آگے پیچھے ہر طرف جھول رہے تھے ـــــ آب رواں کا دوپٹہ تنی بناگردن میں سر سرا رہا تھا ـــــ کر پر کسا ہوا کرتا تھا گلابی رنگ کا۔ اسی رنگ کا تنگ پاجامہ ـــــ پنڈلیوں کی ایمانداری نہ پیانش تنا تنا ہوا کیلے جسم پر تنگ پاجامہ کس قیامت سے

چڑھتا ہے —— غرارہ شلوار ہو تو کوئی بات نہیں —— ڈھیلے ڈھالے سَرسراتے پائنچے یوں آنکھ جھپکنے میں چڑھ جاتے ہیں۔ چُست پاجامہ اتنی ورزش کرواتا ہے کہ گالوں پر خون موجیں مارنے لگتا ہے —— دہکتے ہوئے لال سُرخ گال جن کے اوپر کاجل بھری آنکھیں ہوتی ہیں —— بیچ میں تیکھی سی ناک ہوتی ہے جس میں ننھی سی نتھنی جھلملاتی رہتی ہے، اور اس کے عین نیچے دو سُرخ سُرخ ہونٹ ہوتے ہیں جو اپنی جگہ خود ہی قیامت ہوتے ہیں —— لیکن محض لالی کی ایک اُنگلی پھیر کر وہ آتشہ بنا دیے جاتے ہیں —— اور پھر مائیں ہوتی ہیں جو قفل، چابی اور تجوری کے عذاب سے بچنے کی خاطر یوں زیوروں سے لاد کر قیامت کو بہت پہلے —— یعنی قیامت سے بہت۔ بہت۔ بہت پہلے ہی قیامت برپا کر جاتی ہیں۔ اور ان سب سے بڑھ کر وہ لمحہ —— وہ لمحۂ تنہائی، جو آدم اور حوّا کو کبھی جنّت میں میسّر نہ آتا تو نسل نہ بڑھتی، دُنیا نہ چلتی اور یوں ایک اور کہانی وجود میں نہ آتی۔

جس کمرے میں حوّا تنہا کھڑی ہوئی تھی —— آدم بھی اسی لمحے آ پہنچا —— نواب شوکت یہ تو جانتے اور مانتے تھے کہ حیا بے حد حسین لڑکی ہے —— بہت ہی خوبصورت بلا ہے۔ لیکن آج ان کا جی چاہا کہ کاش یہ بلا اُن سے چمٹ جاتے۔ اور بلا اگر اتنی مہربان نہیں تو وہ خود بلا کے گلے کا ہار بن جائیں۔

وہ ناں ناں کرتی رہی —— منتیں کرتی رہی، سسکیاں بھرتی رہی اور وہ آنسوؤں اور لذّتوں کے سمندر میں ڈوبتے، اُبھرتے پار اُتر گئے۔

پہلی رات کی بیاہی ہو۔ جذبات کی ماری کنواری ہو، گناہوں کے دلدل میں پھنسی ہو الٹ ہو یا کوئی سی عورت ہو۔ پلنگ کی پٹی سے لگی شرماتی بیاہی، خدا سے ڈرتی کنواری پسینے گُھنی، موالف یا سرالیل سے جھینپتی جھینپاتی ہو۔ عورت کو کوئی نہ کوئی وسوسہ، بسیرا ہونے پر بھی پایا سا رکھتا ہے اور وہ یونہی پلنگ کے آس پاس یا کمرے میں ڈولتی پھرتی ہے لیکن

اطمینان سے پار اُتر نے والا مرد سیدھا نیند کی آغوش میں چلا جاتا ہے اور اس وقت بھی یہی ہوا جو دُنیا بھر کے مردوں اور عورتوں کے ساتھ ہوتا ہے —— نواب صاحب گھر گھر کرتے ایک مطمئن بچّے کی طرح سو رہے تھے اور حیا گھٹنوں میں مُونہہ چھپاتے اپنے آپ سے چھُپ رہی تھی۔

"یہ کیا ہو گیا میرے خدا ؟"

"یہ تو مَیں نے سوچا بھی نہ تھا"

"میری ساری ریاضت، عبادت ایک ہی ریلے میں بہہ گئی۔

"عورت کو تُو نے اتنا کمزور کیوں بنایا ؟ مَیں نے کتنا اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کی —— لیکن ؟ اُس نے پاس سوتے ہوئے نواب شوکت کو نظر بھر کر دیکھا —— لمبا، چوڑا تنومند جسم، سُرخ و سفید رنگ۔ بڑی بڑی سیاہ مونچھیں۔ سر پر چھدرے بال، نہ سیدھی مانگ نہ ٹیڑھی مانگ، لہر لہر بال اُلٹے جاتے ہوتے، پھر اُن کے مضبوط ہاتھ اور سُرخ و سفید لانبی لانبی اُنگلیاں، انگوٹھیوں سے سجی ہوتی۔ وہ جیسے جیسے اپنے آپ کو چھڑاتی جاتے، وہ انگوٹھیوں سے سجی مضبوط اُنگلیاں اسے بے بس کئے جاتیں۔ ایسے کسا ئے میں کئے جانے کے بعد وہ کیسے اپنے بیج چھڑا پاتی ؟ دُکھ اور ذلت کی ایک لہر اُسے یہاں سے وہاں تک بھگو گئی —— آخر طوائف کی طوائف ہی رہی نا —— سہرے، توروں، باجے گا جوں، مہندی مائیوں، چڑھاوے، مونہہ دکھائیوں اور نکاح کے بولوں کے ساتھ دُلہن بننا کہاں نصیب ہوا آخر —— ؟ وہی ہوا جو تجھ ایسیوں کے ساتھ ہوتا آیا ہے —— وہ پھُوٹ پھُوٹ کر رونے لگی۔

یہ شخص تو مجھے ڈھانک کر رکھنے کا وعدہ کر گیا تھا نا ؟ آج اسی نے میرا انگ انگ کھول دیا ! اسے وہ سب کچھ مل چکا ہے جو کوئی بھی بیاہتا دُلہن اپنے دولہے کو پہلی رات دیتی ہے —— اب اگر یہ مجھے ٹھوکر مار کر بھی چلا جاتے تو مَیں اس کا کیا بگاڑ لوں گی ؟

اس نے سسکی لے کر سرہانے لگے آئینے میں اپنا اُترا اُترا چہرہ دیکھا ——— نتھنی بدستور ناک میں جھلملا رہی تھی۔

زمانی بیگم کے درگاہ شریف سے آتے آتے یہاں مطلع صاف ہو چکا تھا نواب شوکت مو تہرے پانی کے چھپاکے مار، پہلے سے کہیں زیادہ تازہ اور جوان بن کر جاتے جاتے ایک بار اور اسے بھرپور کساوے میں کس کر اور ہونٹوں کی آخری سُرخ بُوند تک نچوڑ کر ہوا ہو چکے تھے ——— حیا گھبرائی گھبرائی سی جُھنجلی خود چادر کو حمام میں پھینک، بے ترتیب بستر کو پھر سے ترتیب دے، پھر سے حمام میں گھس گئی ——— نہا کر نکلی تھی کہ عین اسی وقت ماں کی شکرام آکر دروازے سے لگی ——— گئی تھیں تو لٹیں موتی رول رہی تھیں ——— آئی ہیں تب بھی زلفیں یونہی موتی بین رہی ہیں! وہ چونک گئیں ——— یہ دو دو بار بلا ضرورت کے غسل کیسے؟ کمرے میں آکر بستر کو دیکھا ——— پھر بیٹی کو دیکھا جو ہار موتیوں سے شغف نہ ہونے پر بھی سر جھکائی بیٹھی ہے۔

"بٹیا تبرک تو لے لو ———" انہوں نے نقل دانوں اور عودی کی پُڑیا ہاتھ بڑھا کر اسے دکھائی، لیکن خود آگے نہ بڑھیں کہ وہ خود ہی چل کر آتے اور ڈگمگ چال سارے سربستہ راز کھول کر رکھ دیتے۔

حیا کانپتی، جھجکتی آگے بڑھی۔ ایک قدم۔ دو قدم۔ تین قدم۔

"بیٹی ———" انہوں نے انتہائی اطمینان سے کہا: "ایک مرتبہ بند قبا کھل جائے تو پھر نیک زندگی کے دروازے آپ ہی آپ بند ہو جاتے ہیں وہ بھی ہمیشہ کے لئے ———!"

انہوں نے جو کہا۔ حیا تو سمجھی ہی ——— لیکن حیا کی چولی نے ان سے جو کچھ کہا وہ ان کے ایک جملے سے ظاہر تھا۔

بڑی سخت حیرت کی بات یہ تھی ـــــ یا کم سے کم زمانی بیگم کو بے حد حیرت تھی کہ نواب شوکت نے باغبانی کر لینے کے بعد بھی کیاری سے موتیہ نہ توڑا ـــــ آنا جانا لگا ہی رہا ـــــ وہ اسی ذوق و شوق سے آتے ـــــ اسی لگن سے حیا پر واری بلہاری جاتے۔ وہی تحفے تحائف کی برسات، وہی ہمگاہوں سے موتیوں کے چڑھاوے ـــــ وہی ہونٹوں سے مسکراہٹوں کی سوغاتیں ـــــ سب کچھ وہی تھا ـــــ ان کی وہی خاطر داریاں تھیں لیکن لگتا تھا، کہیں نہ کہیں، کچھ نہ کچھ کھو ضرور گیا ہے۔

اور یہ 'کچھ' جو کھو گیا تھا، حیا نے پا لیا ـــــ وہ بات یہ تھی کہ اب نواب شوکت نے پچاس ہزار دے چکنے کے باوجود شادی کی بات اٹھائی ہی نہیں ـــــ اماں کو کیا غرض پڑی تھی کہ موتیہ سے چھوٹتیں ـــــ ان کے تو دل کی مراد پوری ہو گئی تھی۔ نواب شوکت تو جیسے اس داستان کو یاد تو کیا رکھتے، وہ تو موضوع تک بھول گئے تھے ـــــ رہی حیا وہ کیسے اپنے موتیہ سے یہ کہہ دیتی کہ "آخر آپ مجھے بیاہ کر کب لے جائیں گے؟ اور جو کہہ بھی دیتی اور وہ موتیہ پھوڑ کر کہہ دیتے کہ بی بی تم سے جو موتی لینا تھا وہ تو لے چکے اب خالی سیپ لے جا کر کیا کرنا ـــــ تو وہ کیا کر لیتی؟

اور اس دن حیا نے جانا کہ انسان کتنا سخت جان ہے ـــــ لوگ کتنی مشکل سے مرتے ہیں ـــــ وہ تو مری بھی نہیں ـــــ نہ کانوں نے قوتِ سماعت کھوئی نہ آنکھوں نے قوتِ بصارت کھوئی ـــــ حواس بھی اپنے حواسوں میں رہے، دل کم بخت ایک لمحے کو ضرور اپنی جگہ چھوڑ بیٹھا تھا ـــــ نواب شوکت جب زمانی بیگم سے کہہ رہے تھے۔

"آپ کی آواز میں آج بھی وہ جادو ہے کی چلتی ندی رک جانا۔ آپ کیوں نہیں گاتے؟"

زمانی بیگم ہنس کر انکساری سے بولیں :

" اے حضور سہارا کیا ہے ——— منہدم عمارت ہیں ——— یہ اور بات ہے کہ بس تھوپا تھاپی اور لیپا پوتی سے کام چل جاتا ہے "

" نہیں نہیں۔ ایسی بھی کیا بات ہے ——— منگنی کی تقریب میں آپ کو بھی گانا پڑے گا ——— ہور حیا تو ناچیں گی ہی۔ ہے کہ نہیں ———" وہ ہنس کر باری باری دونوں کو دیکھا کئے۔

منہدم عمارتوں پر بجلی گرے یا طوفان ٹوٹے وہ متاثر نہیں ہوتیں ——— ہرے بھرے آشیاں پر تو تیز ہوا کا جھونکا بھی قیامت ڈھا دیتا ہے ——— زمانی بیگم نے تو یونہی نظر اُٹھا کر بیٹا کو دیکھا لیکن حیا کی تو یہاں سے وہاں تک ساری فصل سوکھ گئی نذر ہو گئی ——— وہ بیٹھی نہ ہوتی تو گر جاتی ——— بے حد اطمینان سے زمانی بیگم نے پوچھا :

" منگنی کی تقریب میں ہی بلوا لیجئے گا بس ——— اور حضور کی شادی خانہ آبادی کے جشن مبارک میں ؟" بڑی سادگی اور بھولپن سے وہ بولے :

" امی حضور کی خوشی ہے کہ پہلے منگنی دھوم دھام سے کرنا۔ اس کے بعد شادی ——— آپ لوگ کو تو بھلانے کی چیز ہیں کیا "

جن نظروں سے حیا نے نواب شوکت کو دیکھا ہے ان نظروں نے کٹ سے کوئی چیز زمانی بیگم کے سینے میں توڑ کر رکھ دی ——— آخر کو ماں تھیں۔ گھڑی گھڑی ہو کے اٹھیں اور اپنے کمرے میں جا کر بستر پر اوندھے منہ گر پڑیں ——— آنسو نہ نکل جائیں۔ اس لئے مسکرا مسکرا کر سوچنے لگیں کہ نواب صاحب کی منگنی پر کون سا سہرا زیادہ سہائے گا ——— آخر منگنی پر بھی تو دولہا بناتے ہیں۔ تو پھر "بنا" بنے تو سہرا گانے میں کیا حرج ہے۔ شادی کے دن پھر دولہا بنائے گا۔ پھر سے سہرے گا لوں گی۔

" مرد کتنی ہی بار دولہا بنے، نیا کا نیا رہتا ہے اور عورت ———" انہوں نے آہ

بکھر کر سوچا " ایک بار جو دُلہن بنتی ہے ، پہلے تنہائی میں بن جاتی ہے ، جو نورًا ایک بار اُتر تا ہے پھر مر کر بھی وہ نور نہیں اُتر تا ؟"

ادھر بالا ماری ہوئی تمتنی سے نواب شوکت بولے :

" تم فکر نہ کرو حیا ___ تمہارا عندیہ ہم کسی اچھے شریف آدمی سے کر دیں گے ___ کیوں کی تم کو دُلہن بن کر بیاہنے کا بہت ارمان ہے نا ! "

" وہ شریف آدمی تو آپ بھی ہو سکتے تھے نواب صاحب ___ " اس کا دل بولا مگر ہونٹ خاموش ہی رہے ___

" تم ہماری بات کو پسند نہیں کرتے شاید ___ "

بڑے ضبط کے ساتھ وہ بولی :

" اور عورتوں کے دل کا تو مجھے پتہ نہیں ___ لیکن میں نے اپنے دل کی گزرگاہ کو بس اتنا ہی کشادہ رکھا تھا کہ اس میں سے دو قدم گزر سکیں ___ آپ اس میں داخل ہو گئے اور میں نے وہ گزرگاہ ہی بند کر دی ___ آپ تو بڑے خوش نصیب تھے نواب صاحب کہ ایسی محفل میں قدم رنجہ ہوتے جہاں آپ سے پہلے اور آپ کے بعد کوئی نہیں آیا لیکن میں ! وہ سسک کر رو پڑی ___ میں کتنی بد نصیب تھی کہ آپ کے دل کی دہلیز تک ہی نہ پہنچ پائی ___ داخلہ میرے لئے ممنوع تھا ___ " ماحول کا سناٹا جان لیوا ہو گیا تو محض بات رکھنے کی خاطر انہوں نے بات کی :

" اصل میں اُمی حضور اپنی بھتیجی سے ہماری شادی کی بات پکی کر چکے تھے نا ، اس واسطے ... ... "

" نواب صاحب ___ " وہ رہ رہ کر ٹوٹتی آواز میں بولی : " کچھ عورتیں کچھ مردوں سے تھوڑی سی محبت کرتی ہیں ___ بہت ساری عورتیں بہت سے مردوں سے بہت سی محبت کرتی ہیں ___ لیکن جیسی محبت میں نے آپ سے کی ___ سوچتی ہوں دُنیا کی پہلی

اور آخری عورت ہیں میں کبھی جو ایسی محبت کر سکی ——— شاید کاتب تقدیر نے لفظ محبت لکھ کر قلم کی نوک میرے ہی دل میں توڑ دی تھی - اس کے بعد ——— اس کے بعد پھر یہ لفظ کبھی لکھا گیا ——— نہ شاید لکھا جائے ———"

وہ چلنے کو ہوتے تو آنکھوں میں ایک ساتھ آنسوؤں کے ستارے اور مسکراہٹوں کی دھوپ لئے وہ بول اٹھی :

آپ کی منگنی کی تقریب اور شادی خانہ آبادی کے جشن مبارک پہ میں ترستا آؤں گی۔
اور نہ جانے کی بھی اللہ نے توفیق دی - اپنے دب کے بندے یہ تیں - مجھے بتا دی؟
لیکن منگنی کی تقریب اسے حیا کی اور نینوں کا ساسرا تر دسا، ہوسا ———
آنسوؤں کا سلسلہ وحدت سے شروع ہو گیا ہے

ایک پیالے میں کچھ بیتے کا عرق ——— دوسرے میں کوئی زعفران، تین وتاب، گول سیاہ مرچ کا کاڑھا لئے زمانی بیگم اس کے سرہانے کھڑی تھیں ——— شے نامراد ——— ایک ایک کر کے دونوں پیالے پڑھالے اور اس بے مروت اور ظالم کی ہر یاد اور نشانی پیٹ سے اور دل سے نکال دے ———" دھواں دھواں چہرا اٹھا کر میٹی نے ماں کو دیکھا۔

" آپ بھی اماں یہی کہتی ہیں ——— آپ بھی اماں ———" زمانی بیگم نے منہ پھیر لیا - تو جینے پیٹ میں رکھنا آسان ——— کڑوے درد سہہ کر پیدا کر لینا وہ بھی آسان - لیکن یہ نفرت، ایسی نفرت ! یہ نہیں سہی جاتی میرے مولا ——— ماں پن کی سب سے کڑوی منزل یہی ہے اولاد کا دکھ - وہ بڑے رسان سے، دکھوں سے ڈوٹے لہجے میں بولی :

" اماں ——— میں اپنا بچہ ضائع نہیں کروں گی ———" وہ اوپری دل سے غصہ ہوئیں -

" کم بخت ——— اب تیرا مذہب ——— تیری تعلیم ——— تیرے وعظ ——— تیرے

والا تل کہاں گئے ــــ زنا کر کے بیٹھی ہے۔ پتہ ہے مذہب میں زنا کی سزا کیا ہے؟ اس کی کوئی معافی بھی نہیں ہے ــــ"

"جانتی ہوں اماں ــــ بہت نہیں جانتی مگر تھوڑا بہت تو ضرور جانتی ہوں زنا کی سزا سنگ ساری ہے ــــ ہے نا؟ اب ساری زندگی مقلد مجھ پر سنگ باری کرے گا ــــ سزا تو مجھے بہر حال مل گئی نا ــــ خدا بھی تو دو سزائیں ایک گنہگار پر جمع نہیں کرتا۔ پھر آپ یہ پیالے پلا کر مجھے کیوں اس جنت سے محروم کرنا چاہتی ہیں جو زندگی بھر کی سنگ ساری کے صلے میں میرے قدموں تلے تعمیر ہوگی ــــ نہیں اماں نہیں ــــ زندگی بھر آپ سے کچھ نہیں مانگا ــــ بڑی صابر بیٹی اللہ نے آپ کو عطا کی ہے ــــ آج وہ صابر بیٹی بھکارن اور مدیتی بن کر ماتا کی۔ کوکھ کی بھیک مانگتی ہے ــــ اماں میری جنت کی خشت نہ منت نہ پایئے۔ میری اماں ــــ میری اچھی، میری پیاری اماں"

مدت گزرنے پر حیا نے ایک گڑیا سی خوب صورت بیٹی کو جنم دیا اور جس دن وہ چلہ نہا کر اٹھی ہے، اسی دن نواب شوکت کی شادی پڑی۔

زمانی بیگم ہاں ہاں کرتی رہ گئیں ــــ اور حیا نے جو سدا سنگھار پٹار زر زیور سے دُور بھاگتی تھی ــــ روایتی دلہنوں اور سہاگنوں سے بھی بڑھ کر اپنے آپ کو سجایا سنوارا۔

"اری نامراد تجی زچہ ہے ــــ چھوڑ کس کم بخت کے پھیر میں پڑی ہے۔ ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑ جائیں گے ــــ زندگی بھر اپاہج بن کر رہ جائے گی۔ لیکن حیا آج کوئی بات سننے کی روادار نہیں تھی۔

وہی شان دار بال تھا ــــ وہی سلیقہ، وہی قرینہ ــــ لیکن آج اُس دن سے بھی سوا سجاوٹ تھی، اور مہمانوں کا جم غفیر ــــ سہرے تو رول اور بدھیوں میں شرمائے

دستی سے مونہہ چھپائے ـــــ خوشبوؤں میں بسے دولہا میاں نواب شوکت زرکار مسند پر براجمان تھے ـــــ برابر میں چھوٹے سالے سالیاں آرزو باز دوست احباب۔ زنانے میں الگ ہلو رمچی ہوئی تھی ـــــ چلمنوں کے پیچھے سے مہمان بیبیاں ایک سرا آباد کر رہی تھیں ـــــ دُلہن کو وہیں ایک مسند پر لا کر بٹھا دیا گیا تھا ـــــ تیں لطا... سے اُلجھتیں۔ پھر وہ اپنا آپ سنبھال لیتی ـــــ آخر سینے میں رُکتے دھڑکتے دل کو تھام کر اس نے ماں کو اشارہ کیا اور گویا ہوئی:

"امّاں ـــــ آج میں تال آڑا چوتالہ پر ناچوں گی ـــــ" زمانی بیگم نے ہول کر اُسے دیکھا ـــــ

"تال آڑا چوتالہ ـــــ ؟ بیٹی پاگل ہوئی ہو ـــــ چودہ ماتروں کا ٹھیکہ ہے، سنبھال نہ پاؤ گی ـــــ"

وہ چلائی: "نہیں امّاں ـــــ آج یہی رقص ہوگا"

"مشکل ہے بیٹی ـــــ"

"امّاں آپ تو نبض کی دھک دھک میں بھی لے اور تال پیدا کرتی آئی ہیں ـــــ آج دِل کی تال پر بیٹی کو آزمائیے ـــــ میں ناچوں گی امّاں ـــــ آپ گت شروع کیجئے"

"چمن خاں ـــــ" زمانی بیگم نے اشارہ کیا: شروع کیجئے تال آڑا چوتالہ ـــــ اور انہوں نے تالی بجانے کے لئے چوڑیاں پیچھے کھسکانی شروع کیں: "بہتر بی بی" چمن خاں سعادت مندی سے بولے اور شروع ہو گئے۔

دھن۔ تت کٹ دھن دھن نانا کت تاتت کٹ دھن دھن دھاگے نادھا تٹ کٹ دھن ـــــ

ساتھ ہی گھنگرو چھن چھناتے اور جیسے پانی پر بہتی۔ گھمیریاں ڈالتی ـــــ بل کھاتی، لچکتی، تیرتی، ڈولتی۔ سامعین کو سحر زدہ کرتی وہ دُنیا و مافیہا سے خود بھی بے خبر ہوتی گئی۔

پہلے اس کا ایک بال گرا — کچھ ہوش اور کچھ بے ہوشی کے عالم میں اسے وہ خوب صورت واردات یاد آ گئی جو زنگین بھی تھی اور سنگین بھی جب اس کا ایک بالا ان کے جگمگاتے بٹنوں کی زنجیر سے اُلجھ گیا تھا — پھر دو مضبوط ہاتھوں نے دوسرا بالا بھی اُتار لیا تھا — پھر وہ خوب صورت، زندگی بھر ساتھ دینے کا وعدہ کرنے والے ہاتھ، دھیرے دھیرے اس کے کنوارے جسم کے نشیب و فراز پر سرسرانے لگے — ہونٹوں نے دھیمی دھیمی محبت بھری سرگوشیاں کی تھیں — آج وہ ہاتھ — وہ خوب صورت ہاتھ اور مضبوط ہاتھ دبی سرگوشیاں دہرائیں گے — ہاتھ دبی ہیں، ہاتھوں کی گرفت میں آنے والا جسم بدل گیا ہے۔

رقص کی لے اور تیز ہوئی — اس کے گلے کی مالا ایک جھٹکے سے ٹوٹ گئی اسے پھر سے وہ جان لیوا گھڑی یاد آ گئی — انگلیاں کسی کی دیکھتے ہی دیکھتے [illegible] تھیں — دھیرے دھیرے نفرت سے بھرے ہاتھ اس کے سراپے پر رینگے، اور مدھم سی سرگوشی: "آج جسم ہمارا ہے — اس پر کوئی زیور نہیں رہے گا — زیور تمہارے بدن کو چھپاتے ہیں؟ نہیں ہمیں زیوروں سے حسد ہوتا ہے —" اور ایک ایک کر کے سارے زیور جلاوطن یا جلا بدر کر دیے گئے تھے — آج ہاتھ وہی ہوں گے لیکن ایک اور بدن ہوگا جس کے روئیں روئیں سے بھی یہی الفاظ دہرائے جائیں گے۔

پھر وہ اتنا تیز ناچی — اتنا تیز ناچی کہ گھنگھرو ایک ایک کر کے ٹوٹ گئے۔ اور تال کا آخری جب ختم ہوا تو سارے ہال میں ایک ایسا سناٹا تھا جیسے وہاں کوئی ذی ہوش تھا ہی نہیں۔

وہ یوں ہی سر نیوڑائے بیٹھی کی بیٹھی رہ گئی تھی — اس نے کب رقص ختم کیا تھا وہ خود سے گری تھی یا اُسے کسی نے تھام کر یوں بٹھا دیا تھا۔ وہ ہر بات سے بے خبر تھی — صرف ایک بات کا اسے علم تھا کہ یہ رات — آج کی رات — آج کی سہاگ رات۔ جو اس کی زندگی میں آنے والی تھی۔ کبھی اور کے حساب میں لکھ دی گئی ہے — قائم ازل

یہ تیری کیسی بھول ہے؟

داد و تحسین کا یہ عجیب انداز تھا کہ نہ کسی نے تالیاں بجائی تھیں نہ کسی نے واہ وا کی تھی ـــــ بس ہر طرف سانسوں کا سناٹا تھا ـــــ اس نے بڑی مشکل سے نگاہیں اٹھا کر دولہا کی جانب دیکھا۔

"میری سہاگ رات ایسا قرض ہے جو تم کبھی ادا نہ کر سکو گے نواب"

ایک دم کسی نے تعریف کے جذبے سے چور ہو کر کہا "ارے موہنہ کیا دیکھتے جی۔ حیا ڈومنی کو اشرفیوں سے چھپا دیو ـــــ کیا ناچی ہے کی واہ ـــــ پاتر ہو تو ایسی ـــــ ابھی تک تو دل شیشہ ہی تھا ـــــ اس وار سے کرچی کرچی ہو کر سارے بدن میں بکھر گیا ریزہ ریزہ ہو گیا ـــــ اس نے ڈوبتی نگاہوں سے نواب دولہا کی طرف دیکھا۔

"ایک تم سہارا دے دیتے تو میں محل کی عزت بن جاتی۔ آج تم نے ہاتھ چھوڑ دیا تو میں بازار کی چیز بن گئی ـــــ ڈومنی! سچ تو ہے ـــــ میری یہی اوقات ہے یہی رہے گی ـــــ" وہ محل کے شور شرابے کو خواب کے سے عالم میں دیکھتی رہی۔ جیسے اس کی اپنی آنکھیں نہ ہوں۔ کسی اور کی ہوں۔

پھر محفل اکھڑنے لگی کہ دولہا میاں زنانے میں بلائے جانے کے تھے ـــــ وہاں آمنے سامنے دولہا دولہن بٹھائے جائیں گے ـــــ رونمائی ہوگی۔ دلہن کو اشرفیاں روپے، زیور ملیں گے ـــــ دولہا کو سلامیاں ـــــ رومالوں میں مکئی چھالیہ، لونگ، الائچی چاندی سونے کے ورقوں میں مڑھی ہوئی ـــــ بیچ میں جگمگ کرتی اشرفیاں انگوٹھیاں ـــــ جب یہ سب ہو جائے گا تو بھابیاں، رشتے کی سالیاں سالیاں، کنواری بیاہی لڑکیاں سب گھس پڑیں گی کہ آخری رسم انجام دی جائے ـــــ تب دولہا میاں دلہن کا گھونگھٹ اٹھا کر اس سے آنکھیں کھولنے کی التجا کریں گے۔

بی بی ـــــ آنکھیں کھولو ـــــ میں تمہارا غلام ـــــ"

تسمتہ کی حدیں اُسے وہاں لے گئیں جہاں دُولہا کے ہاتھ میں دُلہن کا زرتار سُرخ گھونگھٹ تھا ـــــ وہ چلائی۔

"نہیں ـــــ نہیں ـــــ یہ ظلم ہے ـــــ یہ ظلم۔ یہ قتل ہے ـــــ یہ خون ہے ـــــ یہ میرا قاتل ہے ـــــ یہ میرا خون ہے ... ..." پھر وہ دھیرے دھیرے سسکنے لگی ـــــ "مالک میرے ـــــ تیری کتاب کو میں نے ترجمے کے ساتھ پڑھا ہے اے الرحم الرحمین تو نے ہی تو قصاص کا مسئلہ رکھا ہے ـــــ تُو نے تو خود خون کا بدلہ خون رکھا ہے ـــــ قتل کا بدلہ قتل ـــــ قصاص ـــــ پھر آج تیری دُنیا میں جو میرا ـــــ مجھ بے گناہ کا قتل ہوا ہے اس کا قصاص میں کس سے لوں ـــــ کیسے لوں ... کیسے ... کیسے ..."

سُسر الیوں کے جلو میں دو لہا میاں زنانے میں چلے گئے اور وہ سنگِ مرمر کے خوبصورت فرش پر ایک خوبصورت مورتی کی طرح پڑی رہ گئی۔

"تیرے عدت کے دن پورے نہیں ہوتے بٹیا ابھی تک" زمانی بیگم نے بیٹی کا مُرجھایا ہوا چہرہ دیکھ کر اپنے دل کی ہا نے نواب شوکت پر ڈالی۔

حیا بچی کا موتہہ دُھلاتے ہوئے دہل کر بولی: "اللہ نہ کرے اماں جو میں عدت کے دن گزاروں۔ مَری تو میں ہوں ـــــ خدا ان کو سلامت رکھے۔

"ایسی دیوانگی دیکھی نہ سُنی ـــــ نامُراد نے آنکھوں دیکھتے ایک دِل اُجاڑ کر گھر لیا لیا۔ اور تو اسی کے فراق میں مَری جا رہی ہے"

"مر چکوں تو چین ملے۔ اب دُنیا میں دِل نہیں لگتا اماں"

"صبر کر بیٹی ـــــ لوگ مرے کو صبر کرتے ہیں تو جیتے کو صبر کرلے"

"صبر تو کر لوں اماں ـــــ لیکن کتنا؟ آخر کب تک ـــــ کوئی مجھے حد بتا دے"

زمانی بیگم کا کلیجہ کٹ کٹ گیا۔

"امّاں اتنا بڑا دھوکا بھی کوئی کرتا ہے ـــــ امّاں اللہ میاں نے سینے میں دل اور ضمیر جیسی بھی ایک شے بنائی ہے نا ـــــ امّاں انہیں کبھی خیال آتا ہوگا کہ کیسے محبّت بھرے دل کو انہوں نے توڑا ہے ـــــ امّاں ہنستے بولتے کبھی یہ بھی سوچتے ہوں گے کہ کسی کے ہونٹوں کی ہنسی تم نے چرائی ہے۔ امّاں ـــــ ایک بار دلہن بنا کر لے جاتے ـــــ بھلے بعد میں طلاق دے دیتے، میرا سہاگ چڑھنے کا ارمان تو نکل جاتا۔ امّاں ـــــ امّاں ـــــ امّاں ..." زمانی بیگم اس کا پاگل پن دیکھ کر بُت بنی لوگوں کی طرح اس کا منہ تکتیں۔ سوچتیں جتنی بھی بک بک کر لے اچھا ہے۔ اپنے آپ ہی سوچ سوچ کر گھٹتی رہی تو پاگل ہو جائے گی۔

ایک دن پھر سے حیا نے دلہنوں کا سا سنگھار کیا ـــــ خوب اپنے آپ کو سجایا سنوارا ـــــ خوب زیور پہنے ـــــ ماں سے کہا ایک شکرام منگوا دیں ـــــ وہ حیرت سے دیکھنے لگیں اور بولیں :

"امّاں ـــــ پتہ نہیں کیوں اندر والا دل کہتا ہے کہ شادی انہوں نے اپنی امّی حضور کے تقاضوں سے تنگ آ کر کی ہے۔ وہ بھی میری ہی طرح اُداس رہتے ہوں گے۔ آج بُری طرح ایک نظر دیکھنے کو جی چاہ رہا ہے۔ انہی کے ہاں جا رہی ہوں اماں"

ماں نے دہل کر اُسے دیکھا : "اری پاگل اسی لاڈے میں پڑی تھی تو ٹھیک تھا کہ وہ بھی اُداس ہوں گے ـــــ اب جا کر خوش و خرم پائے گی تو انگاروں پر لوٹتی پھرے گی۔ کیوں اپنی جان کی دشمن بنی ہے۔ نہ جا نامُراد رک جا ـــــ" ان کی صدائیں دل سے باہر نہ آ پائیں ـــــ وہ دُکھے دل اور بھیگی آنکھوں سے بیٹی کو دیکھا کیں جو چوتھی کی دلہن بنی اپنی سسرال جا رہی تھی۔

شکرام کے رکتے ہی ایک بے پناہ قہقہے نے حیا کا استقبال کیا۔ بلاشبہ یہ نواب شوکت کی آواز تھی ـــــ اُسے اس خیر مقدم کی توقع نہ تھی ـــــ شکرام والے نے زنانی سواری کا جا کر کہا تو مصاحبین میں سے کسی نے کہا کہ زنانے دروازے سے لے جاؤ۔ لیکن

حیا نے پھر سے کہلوایا کہ اسے باہر ہی رکنا ہے ـــــ دو ایک مصاحبین نے پھیرے کئے ـــ وہ پردے کے اندر ہی سے جواب سوال کرتی رہی۔ آخر اُس نے دھیرے سے کہلوایا۔

"نواب صاحب سے کہہ دیں کہ تخلیے میں ملنا ہے۔"

نواب شوکت بھونچکے سے رہ گئے ـــــ شادی شدہ آدمی ـــ عزت دار نواب یہ کون بے حیا عورت ہے جو خود سے کہہ رہی ہے کہ تخلیے میں، تنہائی میں ملنا ہے ـــــ خود ہی اُٹھے اور بڑا ہال طے کرتے ہوئے سیڑھیوں کے اوپر ہی زینے پر رُک کر شکرام والے سے بولے:

"اُنوں نام کیا بتائے؟"

شکرام والا مُڑ کر بولا: "پاشا اُنوں پوچھ رئیں آپ کا نام کیا ہوتا؟" حیا نے شکرام کا پردہ ذرا سا اُٹھایا اور نواب شوکت پر بجلی سی گر پڑی۔

"تم؟ حیا! یہاں محل میں؟ بلا مطلب ـــــ بلا کام؟ لوگاں ہمارے مُتعلق کیا سوچیں گے؟" وہ مُسکرائی۔

"اندر آنے کی اجازت ہے سرکار کی؟" وہ بار بار حیا سے مِل چکے تھے اور انہوں نے خاص طور سے یہ بات محسوس کی تھی کہ لاکھ وہ طوائف تھی اور ناچا گانا اس کا پیشہ لیکن اس کے اندازِ گفتگو میں بازاریت اور وہ روایتی طوائف پن نہ تھا بلکہ گھریلو پن اور شرافت تھی جو خاص خاندانی بیبیوں کا طُرّۂ امتیاز ہوتی ہے۔ لیکن اس وقت اس نے جس طنز بھرے انداز سے انہیں ایک بازاری عورت کی طرح "سرکار" کہہ کر مخاطب کیا تھا اس نے، اس اندازِ گفتگو اور اندازِ تخاطب نے انہیں ہلا کر رکھ دیا تھا ـــــ اب نہ کہنے یا بہانہ بنانے کی کوئی راہ نہیں تھی۔

"آیئے ـــــ آیئے ـــــ" انہوں نے بھی خاصے تکلف کے ساتھ جواب دیا۔ حالانکہ وہ اتنی بار مِل چکے تھے اور تکلف کی دیواریں اس حد تک ڈھے چکی تھیں کہ وہ متوسل

سے تم" ہو چکی تھی۔

وہ اپنے اسی قاتل اور جان لیوا انداز میں جیسے لہروں پر بہتی چلی آئی ہو۔ آئی اور ادھر اُدھر دیکھتی کھڑی ہو گئی۔

"بیٹھئے ——" نواب صاحب نے کوئی خاص کھلے دل سے نہیں کہا۔

"یہی سوچ رہی تھی کہاں بیٹھوں —— ایک زمانہ تھا کہ مستقل آپ کے دل میں قیام تھا۔ جو اتنی بلندی پر بیٹھ چکا ہو —— اسے فرش اور مسند کتنے حقیر نظر آتے ہوں گے!" نواب شوکت سخت جز بز ہو رہے تھے۔ "بہر حال! وہ دھیرے سے ایک کوچ پر بیٹھ گئی —— دل میں اتر جانے والی آنکھیں ان کی طرف اٹھا کر بولی ——

"پتہ ہے آپ کی بیٹی کا نام میں نے کیا رکھا ہے؟" نواب صاحب جو خود بھی بیٹھ چکے تھے، ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑے ہوئے

"ہماری بچی؟" وہ سخت غصے میں بولے۔

"یہ کیا حماقت ہے ہم کو آپ سے ایسے مزاح کی توقع نہیں تھی"

"مذاق ——" وہ تیکھے لہجے میں بولی: —— "جس حقیقت کو ایک مجھ جیسی عورت اپنی زندگی کی سب سے بڑی خوشی سمجھتی ہے —— مرد ہمیشہ اسے مذاق ہی سمجھتا ہے۔ اس لئے کہ سہرے تورے کے لوازمات اور نکاح کے چند مقدس بول اس عورت اس بازاری عورت کا مقدر نہیں ہوتے جس قبیل سے میں تعلق رکھتی ہوں۔"

"اب آپ بس یہ بتایئے کہ آپ کے واسطے ہم کیا کر سکتے ہیں؟"

اس نے بے حد ترسے ہوئے لہجے میں کہا: "میں آپ سے کچھ نہیں چاہتی۔ صرف آپ کے قدموں میں رہنے کی سعادت چاہتی ہوں۔" نواب صاحب جھنجلا کر بولے:

"دیکھئے حیا بیگم —— ہمارا خاندان نوابوں کا کتنا عظیم الشان اور نامور خاندان ہے —— ہم یہ نہیں بولنے کہ ہمارے خاندان میں کوئی رنڈی بازی نہیں کرایا، ناچ گانے سے

شوخ نہیں فرمایا ——— پر یہ کبھی نہیں ہوا کی کسی طوائف کو گھر ڈال لیا ہو ——— آخر نام و نمود اور خاندانی شرافت بھی ایک چیز ہے ———" حیا کا چہرہ غصے سے تپ گیا ——— وہ کھڑی ہو کر تیزی سے بولی:

"معاف کیجئے گا نواب صاحب ——— میں آپ کے خیالات کو اتنا گھٹیا نہیں سمجھتی تھی کہ میرے مطالبے کو آپ ایک رکھیل کا درجہ دے دیں گے ——— میں تو آپ سے صرف قربت کی خواہاں تھی ——— میں نے تو کبھی یہ بھی نہیں چاہا کہ آپ مجھے ایک نظر دیکھ بھی لیں، میں محبت کی ماری تو صرف اس لئے آپ کے ساتھ رہنا چاہتی تھی کہ میں آپ کو دیکھ سکوں ——— ان پیاسی اور بے قرار آنکھوں کی پیاس بجھا سکوں جنہوں نے آپ سے پہلے اور آپ کے بعد، کسی کو نہیں دیکھا، نہ دیکھنا چاہیں گی ——— آپ اگر بلند نظر ہوتے تو یوں بھی سوچ سکتے تھے کہ میں آپ کی ماما بن کر بھی تو رہ سکتی ہوں لیکن آپ کے خیالات کی پستی آپ کو کس قدر نیچے لے گئی ——— چھی!

"ہم یہ بھی گوارا نہیں کر سکیں گے کی آپ کو اس محل میں کسی بھی حیثیت سے رکھیں ——— آپ خوبصورت ہیں۔ جوان ہیں ——— ہمارے نظر اں کبھی بہکے تو ہماری گھریلو زندگی متاثر ہو سکتی ہے ——— اب ایک لڑکی جس کے ماں باپ چھٹا کو اپنی محبت اور بھروسے یہاں کر بہاں لائے، اُس محبت کو کیسا جھوٹا ٹھیراتا ———"

حیا دھیرے دھیرے چلتی اُن کے قریب ——— اور قریب ——— اور قریب آئی اپنا سر اُٹھا کر اُن کا بلند و بالا وجود دیکھا۔ اور ان کی آنکھوں میں سیدھی دیکھتی ہوئی بولی:

"پھر سے یہ ساری باتیں دُہرایئے ——— آپ کے مونہہ سے اچھی لگتی ہیں ———"

نواب صاحب سٹ پٹا گئے ——— انہیں وہ سارے وعدے یاد آ گئے جو انہوں نے اپنی ہونا سے پہلے ہی کسی لڑکی سے کئے تھے اور وہ لڑکی اس وقت ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے طالبہ کر رہی تھی ——— "پھر سے یہ ساری باتیں دُہرایئے آپ کے مونہہ سے اچھی لگتی ہیں"

"آپ مجھے اس قدر گری ہوئی عورت سمجھتے ہیں نواب صاحب کہ میں کسی بھی طرح آپ یا آپ کی بیگم صاحبہ کی زندگی میں کانٹا بن کر کھٹک سکوں گی ——؟" وہ ان کی خاموشی اور مجبوری کو دیکھ کر خود ہی بول اٹھی تھی:

"آپ کو ایک بات بتاؤں؟ عورت اپنی فطرت میں خدا کے بے حد قریب ہے۔ خدا بھی اپنی خدائی میں کسی کی شرکت گوارا نہیں کرتا اور عورت بھی اپنی زندگی اور اپنی دنیا میں کسی کی شراکت نہیں برداشت کر سکتی —— آپ کی بیگم صاحبہ میرا وجود نہیں برداشت کر سکیں گی تو میں خود انہیں کہاں برداشت کر سکوں گی؟ یہ تو میں صرف آپ کو آزما رہی تھی دیکھ رہی تھی کہ میرا چاہنے والا میری محبت میں کتنا اونچا ہے؟" آراستہ و پیراستہ شاندار محل کے اسی شاندار کمرے میں بس دو متنفس تھے اور سانسوں کا زیر و بم —— بڑی دیر بعد نواب صاحب بولے:

"آپ کے لئے ہم کر ہی کیا سکتے ہیں —— پھر بھی آپ کچھ چاہیں تو ۔۔۔۔"

"وہ مسکرائی:" آپ صرف مجھے ایک سوال کا جواب دے دیں —— مجھے سب کچھ مل جائے گا"

نواب صاحب تجسس کے مارے سراپا سوال بن گئے۔

"کون سا سوال ——؟"

"کیا آپ اپنی موجودہ زندگی سے خوش ہیں —— ؟ آپ کو کسی بات کا غم یا پچھتاوا تو نہیں؟"

نواب صاحب کے تنے ہوئے اعصاب پُرسکون ہو گئے تھے اور بڑی دیر بعد ان کے چہرے پر ذرا سی اطمینان بھری مسکراہٹ بھی آئی۔

"خدا کا کرم ہے کہ ہم بے حد خوش ہیں اور غم یا پچھتاوے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا"

تمتماتی آگ کی لپٹیں جانے کہاں کہاں سے آکر اس کے وجود کو جھلنے لگیں۔

"ہم بے حد خوش ہیں ——"

"ہم بے حد خوش ہیں —— "غم یا پچھتاوے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا"

میری زندگی کو غموں کا سدا بہار جہنم بنا کر یہ شخص کتنا مطمئن ہے —— کتنا پُرسکون ہے —— اے خدا عورت کو تو نے اتنا مجبور کیوں بنایا؟ ان دیکھی آگ کی لپٹوں نے بڑھ بڑھ کے اس کے وجود کو تپا دیا —— وہ سُلگ اُٹھی —— اب اُسے کیا لینا تھا —— محبت کا صرف ایک بول، گزرے لمحوں کی ایک خوب صورت یاد —— خوب صورت یادوں کا صرف ایک لمحہ اسے زندگی سے ہمکنار کر سکتا تھا —— وہ اپنی ساری کلفتیں، ساری رنجشیں، سارے غم، سارے آنسو بھول جاتی، اگر یہ شخص غمگین ہو کر سر جھکا لیتا —— خاموش رہ جاتا —— دُکھ بھری بوجھل آواز سے صرف اتنا کہہ دیتا۔

"ایسا جان لیوا سوال کیوں پوچھتی ہو؟"

واپسی کے سارے راستے زندگی نے بند کر ڈالے —— وہ یوں ہی احساسات سے عاری، انہیں دیکھتی رہی، دیکھتی رہی —— پھر وہ اُٹھے —— طلائی کام والے سلیم شاہی جوتے پہنے —— بڑے سے ہال کے کونے میں گئے —— آہنی تجوری کو چابی لگا کر اپنی مضبوط اور لانبی انگلیوں کے دباؤ سے گھما کر، پٹ کھولا —— پٹ کھلتے ہی اندر آگ سی دہکی —— دھوپ سمان سونا کرنیں بکھیر رہا تھا —— انہوں نے اشرفیاں گننی شروع کیں پھر انہوں نے ایک سُرخ تھیلی میں وہ ساری اشرفیاں بھریں —— تجوری بند کی —— واپس مڑے تو حیا تلوار کی طرح تنی ان کے راستے میں کھڑی ہوئی تھی۔

"تاریخ رضیہ سلطانہ کا نام اپنی یادوں میں ہمیشہ محفوظ رکھے گی کہ اُس نے اپنی عظیم الشان سلطنت پر بادشاہت کی تھی ——" وہ حیرت سے دیکھے گئے۔ وہ سناتی گئی: "لیکن کوئی مورخ مجھے یاد نہیں کرے گا نہ تاریخ میں میرا نام ہی سنہرے حرفوں سے لکھا جائے گا —— حالانکہ میں نے بھی رضیہ سلطانہ کی طرح بادشاہت کی ہے ——

اس نے تو محض سلطنت پر حکومت کی ہے، میں نے تو اس عظیم الشان اور بے مثال تخت پر تاجوری کی ہے جسے ایک مرد کا دل کہتے ہیں ـــــ شوکت نواب! اپنے حسابوں میں بھی ایک ملکہ ہی رہی ـــــ ایک ایسی سلطنت میری ٹھوکروں میں رہی جسے میں چاہتی تو ایک دھکے سے چور چور کر دیتی ـــــ لیکن میں، جو بنیادی طور پر ایک عورت تھی، عورت ہی رہی ـــــ فنِ سپہ گری مجھے نہ آیا یا ـــــ تباہ و تاراج کر دینے کی ادا میں نہ اپنا پائی ـــــ قوموں کی زندگی کی بات میں نہیں کرتی، لیکن فردوں کی زندگی میں عورت کی ایک نگاہ ـــــ محض ایک نگاہ نے ہرے بھرے باغ اجاڑ دیئے ہیں، ہنستے کھیلتے گھرانے برباد کر دیئے ہیں اور میری نگاہ! نواب شوکت تم جانتے ہو میری نگاہ کا مول کیا ہے! یہ تلوار ایسی تلوار تھی جس کی کاٹ ہی نہیں تھی، لیکن تمہاری خاطر میں نے یہ کند کرنی تھی، کیوں کہ اگر یہ صیقل ہو جاتی تو ایک مقتل بپا ہو جاتا ـــــ اور مجھے تو صرف ایک ہی کا ہو کر چلنا تھا ـــــ وہ ایک ـــــ کہ میں تو اس کی ہو گئی ـــــ وہی میرا نہ ہو سکا ـــــ شاید برسوں گزرنے پر داستاں در داستاں، زباں در زباں، نانیاں، دادیاں دونوں ہی کہانیاں سنائیں گی اور مسافر راستہ بھولیں گے ـــــ تب کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی لمحے اس داستان کو سن کر کوئی بھولا مسافر راستے سے بھٹکا، مسافر میرا راز پالے گا ـــــ میری دفن شدہ محبت کو ڈھونڈھ نکالے گا اور تب سننے والے کہیں گے جس کی کہانی سن کر لوگ آج راستہ بھول گئے ـــــ وہ خود کیسے سیدھے راستے پر چلی تھی!"

بولتے بولتے وہ اچانک رک گئی ـــــ اس کی آواز آنسوؤں سے بھاری ہو گئی وہ آگے بڑھی ـــــ نواب شوکت کے قریب پہنچ کر بولی۔

"میں کس راستے پر چلوں نواب شوکت! مجھے بتاؤ میں کس راستے پر چلوں؟ وہ تو تب کی بات ہے جب میری کہانی سن کر لوگ کہیں گے کہ وہ کتنے سیدھے راستے پر چلی تھی ـــــ لیکن آج جب کہ میری ساری راہیں گم ہو چکی ہیں ـــــ میں تم ہی سے سوال کرتی ہوں کہ

میں کس راستے پر چلوں ـــــ بتاؤ ـــــ جواب دو؟" اور وہ نڈھال ہو کر وہیں گر پڑی۔

شوکت نواب نے خاموشی سے اُسے دیکھا۔ ڈرتے ہوئے کہ کوئی اسے دیکھ نہ لے۔ اس کے قریب گئے اور اشرفیوں کی تھیلی اُسے دیتے ہوئے لجاجت سے بولے:

"اب خدا کے واسطے یہ رونا دھونا بند کر کے تم جلدی سے نکل کے چلے جاؤ ـــ کوئی دیکھ لیا تو بہت بُرا ہو ئیں گا ـــــ" حیا نے زہر میں بجھے ہوتے لہجے میں پوچھا:

"میری قیمت دے رہے ہو نا نواب؟"

"فضول باتاں نکو کرو، پیسہ بہت ضروری چیز ہے ـــــ خوشی میں، غم میں، ہر مصیبت میں ـــــ اس کے بغیر کام نہیں چلتا ـــــ اچھا چلو یہی سمجھ لو کی تمہاری قیمت دے رہے ہیں ـــــ مگر کام تو آئیں گا نا ـــــ دس ہزار اشرفیاں کم نہیں ہوتے۔"

حیا نے اشرفیوں کی تھیلی ہاتھ بڑھا کر تھام لی ـــــ اتنی وزنی تھی کہ اس کا ہاتھ ڈول گیا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے تھیلی سنبھال لی۔

"آپ کی کس کس عنایت کا شکریہ ادا کروں آخر ـــــ الفاظ ایسے موقعوں پر کس قدر حقیر ثابت ہوتے ہیں ـــــ" نواب شوکت کچھ نہیں بولے ـــــ اس وقت ان کے ہر انداز سے یہ ظاہر تھا کہ کم بخت جلد نکل چکے ـــــ تو چلے ـــــ وہ اُن کے چہرے سے اُن کے جذبات پڑھ رہی تھی اور جان جان کر لمحوں کو طول دیے جا رہی تھی۔

دروازے کے قریب جا کر وہ پھر رُکی ـــــ

"میں ہمیشہ اپنے آپ کو لفظوں کی ملکہ سمجھتی رہی کہ الفاظ جس کے حضور دست بستہ غلاموں کی طرح ہاتھ جوڑے کھڑے رہتے ہیں ـــــ جسے چاہوں حکم دوں اور وہ حاضر ہو جائے لیکن آج میں خود کو تہی دامن پا رہی ہوں۔ آج میں ملکہ کی بجائے ایک کنیز سے بھی گئی گزری خود کو پا رہی ہوں ـــــ الفاظ رنگین تتلیوں کی مانند پروں کو لہراتے دور کہیں دور نکل چلے ہیں، اور میں خالی ہاتھ سوچتی کھڑی رہ گئی ہوں۔ الفاظ تتلیاں بن کر اڑ گئے تھے تو اڑ گئے

کم سے کم زبان تو میرا ساتھ دے دیتی ـــــ زبان نہیں تو آنکھوں کی زبان، جو صرف تم نے پڑھی ـــــ تم نے ہی سمجھی ـــــ اور تم نے ـــــ تم نے شوکت نواب تم نے ہی بھلا بھی دی ـــــ خدا حافظ ـــــ" وہ دانتوں سے ہونٹوں کو کاٹتی اپنے ننھے منے وجود کو کانپتے تڑپتے وجود کو سنبھالتی ـــــ ہاتھوں میں اشرفیوں کی تھیلی کو مسوستی، سیڑھیاں اتر گئی تو شوکت نواب کے دل سے، ذہن سے اور یادوں سے بھی اتر گئی۔

شکرام میں بیٹھ کر وہ تھکے ہوئے لہجے میں بولی:
شکرام والے۔ تمہیں کچھ یتیم خانوں کے نام پتے یاد ہوں گے؟"
"جی ہو پاشا ـــــ" وہ بغیر مڑے نرمی سے بولا:
"جتنے بھی یتیم خانے تم نے دیکھے ہیں۔ باری باری مجھے سب جگہوں پر لے چلو"
"جیسا حکم پاشا کا ـــــ" وہ سعادت مندی سے بولا۔
شکرام جگہ جگہ رکتی گئی اور مٹھیاں بھر بھر کر اشرفیاں وہ لٹاتی گئی ـــــ یتیم خانوں کے مہتمم اور نگراں حیرت زدہ سے اس مخیر اور حاتم طائی صفت لڑکی کو دیکھتے رہ جاتے جو بنا رسید کٹوائے یوں سونا لٹا رہی تھی۔

اُس کے گھر کے دروازے کے پاس جب شکرام رکی تو اُس نے سُرخ تھیلی شکرام والے کے حوالے کر دی ـــــ جس میں بیس پچیس اشرفیاں کھن کھنا رہی تھیں ـــــ اس نے بے اعتباری کے عالم میں تھیلی میں جھانک کر دیکھا ـــــ جگر مگر اشرفیوں کو دیکھ کر وہ گنگ سا رہ گیا۔ بڑی مشکل سے وہ بول پایا۔
"بخشو پاشا ـــــ میں غریب آدمی ـــــ کبھی امین صاحب (پولیس) دیکھ لے یا کوئی بھی جھوٹ سچ شکایت کر دیا تو مارا جاؤں گا ـــــ میرے کو کرائے کے ڈیڑھ روپے بس پاشا ـــــ"

وہ نرمی سے بولی: "میں اپنی خوشی سے دے رہی ہوں ـــــ اور شکایت کون کرے گا؟ کسی کو پتہ ہو تب نا ـــــ تمہارے اپنے سوا کون یہ بات جانتے چلا؟"

"پاشا ـــــ" وہ سراپا آنسو بن کر بولا: "میرے تو پشتاں راج کریں گے۔ خدا آپ کو اس کا اجر دیں گا ـــــ آپ کے سامنے دل کے ارماں پورے کریں گا ـــــ" وہ آگے بڑھتا پیچھے مڑتا سخت بے یقینی اور بے اعتباری کے عالم میں بشکل ہو جا بیٹھا ـــــ جیسے آسمان کی طرف تکتا ہی اٹھ آئیں۔

بس خدا تو گواہ رہے، تو سب سے بڑا منصف ہے کہ آج میں ہر قرض سے سبکدوش ہو گئی ـــــ"

پازیب کی چھم چھم سن کر زمانی بیگم جھانکنے کمرے میں نکل آئیں۔ کیسی خوب صورت لگ رہی تھی ـــــ نگاہ بھر کر دیکھا نہ جاتا تھا۔

"کیا کرنے گئی تھی بیٹی ـــــ" وہ دکھے دل سے بولیں۔

"میں دلہن بننے گئی تھی اماں ـــــ" وہ پلنگ کی پٹی سے بھی اتنی اداس بیٹھی تھی کہ سارا ماحول غم میں ڈوب سا گیا تھا ـــــ ہلکے سے مسکرا کر اس نے سر اٹھایا۔

"اماں دلہن بننا اتنی مشکل بات ہے؟ میں تو سمجھتی تھی زیورات سے سج کر سرخ کپڑے پہن لے تو کوئی بھی لڑکی دلہن بن جاتی ہے ـــــ لیکن اماں پتہ چلا کہ اپنے دل کے خون سے بھی کپڑے رنگ ڈالو تو بھی سہاگ کی سرخی نہیں ملتی ـــــ" وہ بیٹھی اپنی ہتھیلی کی لکیریں دیکھتی رہی ـــــ زمانی بیگم یونہی دروازے میں کھڑی کی کھڑی رہ گئیں ـــــ دوسرے کمرے سے لڑکیوں کی باتوں، ہنسی مذاق کی آوازیں آ رہی تھیں ـــــ کوئی لڑکی شاید پیروں میں گھنگرو باندھے ادھر ادھر آ جا رہی تھی ـــــ زمانی بیگم نے ماحول کا ـــــ اس کے گرتے ماحول کا سناٹا توڑنے کی خاطر بات کی۔

"اے بیٹی ——— اتنی ننھی سی جان کو چھیڑ کر اتنی دیر کوئی باہر رہتا ہے ——— روتے روتے ہلکان ہو گئی نامراد ———" حیا نے سر اُٹھا کر خالی خالی آنکھوں سے انھیں دیکھا۔

"امّاں نواب منا اپنی زندگی سے بہت خوش ہیں ———" اس نے بے ربط جواب دیا اور ایک دم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی ——— زمانی بیگم لپک کر آگے بڑھیں اور اُسے گلے سے لگا لیا۔

"اے جانے بھی دے بیٹی ——— کم بخت کے پیچھے اپنی جان ہلکان کئے دیتی ہے۔ اپنا حسن دیکھ اپنی بے مثال جوانی دیکھ ——— ایسے کتنے کتنے شوکت نواب آئیں گے اور تیرے تلوے چاٹیں گے ——— خوش ہوتا پھرے ہماری بلا سے ——— اور خوش کیوں نہ ہوگا ——— محل سے خواجہ سرا اور ڈوفنوں کے ہاتھ کال پہنچا گیا تھا ——— بیگم کی ابھی جھگیاں بھی پوری نہیں ہوئی ہیں اور بدھائیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا ——— بتا رہا تھا سرکار نے محل میں کہہ دیا ہے بیٹے کی پیدائش پر خوشی میں تمہارا بھی ناچ گانا رکھوائیں گے :"

"امّاں ——— امّاں ——— وہ کرب سے بولی : "ایک ہی ساتھ سارا تو دل توڑ دیجئے یوں قطرہ قطرہ کر کے نہیں امّاں ——— بہت تکلیف ہوتی ہے امّاں ———" ماں نے ٹوٹتے دل سے بیٹی کو دیکھا : "ساری جوانی جس ایک پودے کو پروان چڑھانے میں گزار دی کیسا مرجھایا جا رہا ہے ——— خداوندا اگر تو یہ کم بخت دل نہ بناتا تو تیرا کیا جاتا ——— مٹھی بھر کا لوتھڑا ساری زندگی پر بھاری ———" روتے روتے اس نے سر اُٹھا کر ماں کو دیکھا اور عجیب اجنبی سے لہجے میں بولی :

"امّاں ——— آج میرا ناچنے گانے کا جی چاہ رہا ہے! ناچوں گی، گاؤں گی اور دعا کروں گی کہ خدا انہیں بیٹا دے ———" زمانی بیگم نے حیرت سے اُسے دیکھا۔ کہیں بٹیا کا دماغ تو نہیں اُلٹ گیا ——— لیکن وہ کھلے سبھاؤ میں کہہ رہی تھی۔

"امّاں ساری زندگی تو دوسروں کے لئے ناچتے رہے ——— دوسروں کو خوش کرنے

کو ناچتے رہے۔ آج ایک دن اپنے لئے بھی۔" وہ ان سے لپٹ گئی۔ "اماں آج اپنا سارا فن مجھے سکھا دو۔ موسیقی کے زیروبم گھنگھروؤں اور طبلے کی تھاپ پہ مجھے رقص کا وہ انداز عطا کیجئے کہ جب بھی ناچنے کو اٹھوں تو میرے ساتھ پوری کائنات رقص کرنے لگے ——— زمین و آسمان وجد کرنے لگیں۔

"اری بیٹی میں کون سی بڑی ماہرِ فن ہوں ——— اپنے بڑوں سے جو کچھ سیکھا وہی تم تک پہنچا دیا ——— ہاں یہ ضرور ہے کہ اپنے دل سے اضافے اور جدتیں خوب کیں ——— بٹیا ہم نے تو مروجہ اصولوں کے خلاف بریانی تک میں بھی پسی ہوئی سرخ مرچ ڈالی اور داد پائی ——— موسیقی اور رقص میں بھی اپنے طور پر یہی کچھ کیا کہ کانوں کو بھلا لگے اور آنکھوں کو تراوٹ بخشے ——— ماہرینِ فن اگر دیکھ لیں کہ اپنی لڑکیوں کو بیک وقت ہارمونیم، سارنگی، ڈھولکی، مٹکی، طبلے اور تالی کی سنگت میں نچواتی ہوں تو کان پکڑ کر محفل سے نکال دیں ——— لیکن بیٹی میں نے تو اپنے تجربے سے اتنا جانا ہے کہ اس مالک کی قدرت کے صدقے جایئے کہ لہروں کی ترل ترل آواز بھی ہم آہنگ ہو کر رقص کے لئے موسیقی بن جاتی ہے۔ چٹکی یا محض زبان کی تچ تچ یا تالی، کوئی بھی آواز ایک مخصوص لَے سے بجے تو رقص کے لئے ساز گار بن جاتی ہے ——— تو پھر طبلہ؟ یہ تو حضرت امیر خسروؒ کی دین ہے ——— عورت ہو کر بھی اسی لئے اس کو اپنایا کہ کچھ تو حضرتؒ سے واسطہ قائم رہے . . . . . ."

حیا انتہائی غور سے اُن کی باتیں سُن رہی تھی ——— زمانی بیگم خوش تھیں کہ بیٹی کا دھیان بٹ گیا ہے لیکن وہ سخت حیرت زدہ بھی تھیں کہ ناچ رنگ موسیقی سے حد درجہ اُکتاتی ہوئی یہ لڑکی ابھی تک آج اتنے انہماک سے سبق لے رہی ہے؟ کیا وہ اپنے دلِ ناکام کا بدلہ لینے اس جگمگاتی دُنیا میں لوٹ آنے کے بارے میں سوچ رہی ہے۔ یا کچھ بھی ہو وہ ماں ہونے کے ناطے اس وقت بے حد خوش تھیں کہ تھوڑی دیر کے لئے ہی سہی وہ اپنے غموں کے حصار سے باہر نکلی تو سہی ——— دھیرے دھیرے سہی، میں اُسے پھر اسی ماحول میں کھینچ لاؤں گی۔ انہوں نے اپنے دل میں ایک فیصلہ کیا۔

"اماں ـــ آج وہی تال آڑا چوتالہ دیجئے ـــ اور سارے سازوں کو اونچے اونچے سُروں میں چلنے دیجئے ـــ اتنے اونچے سُر ہوں کہ اس شور میں میرے دِل کی ہر دھڑکن دب کر دفن ہو کر رہ جائے۔ میرے قدم بے ترتیب پڑیں تو پڑنے دیں، آج ہر آزار گی روا ہے۔ ہر بے ترتیبی مباح ہے ـــ"

ناچتے ناچتے وہ بے حال ہو گئی ـــ بجانے والے پسینہ پسینہ ہو گئے، مگر نہ ناچے گئی ـــ ناچے گئی اور تھک کر وہ ماں کی آغوش میں آگری ـــ کلیجے کو کھرچ دینے والے درد بھرے لہجے میں ماں سے گلے سے لپٹ کر بولی۔

"اماں اِتنے تیز شور میں بھی دل کی دھک دھک کتنی نمایاں ہے! کون سا جتن کروں میری اماں کہ اس دِل کا ساتھ چھوٹ جائے ـــ"

دِل کا ساتھ تو خیر نہ چھوٹا لیکن برسوں کا ماں بیٹی کا ساتھ ضرور چھوٹ گیا ـــ حیا اپنے دِل کے ہاتھوں اُجڑی اُجڑی، تنہا تنہا اور اُداس اُداس رہتی تھی۔ لیکن دستور اور معمول کے مطابق کوٹھے کی اور لڑکیاں تو اسی طرح رہتی تھیں ـــ سجتی، سنورتی تھیں ـــ ہر شام محفلیں جمتی تھیں ـــ ساز چھیڑے جاتے تھے ـــ بڑا سارا کوٹھا تھا ـــ کئی کمرے تھے۔ شب باشی کی سیجیں الگ الگ کمروں میں تھیں ـــ اپنے بندھے ہوئے اصولوں پر سارا کاج کاروبار چلتا تھا ـــ زمانی بیگم اپنی سخت مزاجی کے باوجود بہر حال ایک ماں تھیں۔ گالیاں کوسنے تیز ترش بول سب انہوں نے آج کل بھلا دیے تھے ـــ بیٹا کا دِل ایسا ٹوٹا کہ نہ خود آدمی ہو کر رہ گئی تھیں ـــ اسے کچھ بھی نہ کہتیں ـــ نہ سجنے کو نہ سنورنے کو ـــ نہ گانے کو

نہ ناچنے کو ـــــ سوچتی تھیں ـــــ چند دنوں میں غم ذرا ہلکا پڑے گا تو خود ہی گھنگرو باندھ لے گی ـــــ دوسری لڑکیوں کے معمول بھی بندھے ہوئے تھے اور گاہک بھی ـــــ خود ہی تیار ہو لیتیں اور اپنی محفلیں سنبھال لیتیں ـــــ کچھ کہنے کی ضرورت نہیں تھیں ـــــ حیا کا یہ تھا کہ دکھوں سے ٹوٹ گئی تھی اور ویسے دیکھا جائے تو ایک نہ دو پورے پچاس ہزار شوکت نواب شادی کی تیاری کے سلسلے میں دے چکے تھے جو بعد میں واپس لئے بھی نہیں ـــــ اتنا تو ساری زندگی اور خود حیا بھی زندگی بھر مل کر کماتیں تو بھی شاید ہی جمع کر پاتیں ـــــ تو اس کو تنگ کرنے سے فائدہ بھی کیا تھا اور فائدہ نقصان تو بعد کی بات تھی، اول تو خود انہی کا دل بیٹھ گیا تھا ـــــ آدمی بات بھی کہنے کو نہ چاہتا ـــــ کہاں یہ کہتی پھرتیں کہ "بٹیا خود کو سجا سنوار کر مسند سنبھال ـــــ"

اس چار پہری کو سو کر اٹھیں تو روز کا سا سماں اور معمول تھا ـــــ گجرے والا گجرے دے کر ابھی گیا تھا ـــــ بنارٹن ڈھو ڈھو کر پانی آنگن میں رکھے مٹکوں اور صراحیوں کے پاس لال لال صافی میں لپیٹ، پانی کے چھینٹے دے کر لپیٹ گئی تھی ـــــ چھڑکاؤ والا بہشتی یہاں سے وہاں تک اڑتے گرد کے بادل کو تھپک تھپک کر سلا گیا تھا اور اب سارے آنگن میں سوندھی سوندھی خوشبو آ رہی تھی جس میں اب ادھ کھلے گجروں کی کلیوں کی مدھ ماتی خوشبو بھی شامل ہو رہی تھی ـــــ ماما ظہورن رات کے کھانے کے لئے گلاوٹ کے کباب تیار کر رہی تھی ـــــ باورچی خانوں سے گرم مسالے کی خوشبو کی لپٹیں چلی آ رہی تھیں ـــــ ساتھ ساتھ ظہورن کے تبصرے بھی ـــــ

"مٹی پڑے کو جاؤ موا خصائی سارے چھیچھڑے بھر گیا ـــــ کیا کیا یاں بنیں گے اجاڑ۔ ہو راب دیکھو وہ موا گولی کا بچہ دودھ دے کر جائے گا سو ـــــ آدھا پانی آدھا دودھ ـــــ کیا تو بھی بچی دم پکڑیں گی ـــــ ماں کے دودھ میں طاقت رہتی پن چھوٹی باشا کو آتا دودھ کاں اترتا ـــــ او غفورے موتے دھتی ـــــ گا آئے گا تو ذرا ڈھنگ سے بات کر۔ ـــــ

اِتی سی کی بچی دیکھو، مِلا اس کے رنوخ کے ساتھ بے ایمان ٹن دیکھو۔"

دُودھ —— گولی —— بچی سُنتے سُنتے ہی زمانی بیگم کی آنکھ کھُل گئی تھی ——

روز اس وقت اُٹھتے ہی سب سے پہلے ماما یا کریمن، یا غفورے یا چھمن خاں سے فوراً ہی کو بلواتیں —— اپنے بستر پر لٹالیتیں توتلا توتلا کر باتیں کرتیں —— لپٹا لپٹا کر خوب پیار کرتیں پھر موہنہ ہاتھ دھونے کے لئے بستر سے اُترتیں —— آج کریمن کو آواز دی کہ بچی کو لائے تو کریمن نے جواب دیا" چھوٹی بی بی خود بھی آج ابھی تک نہیں اُٹھیں —— دروازہ بند ہے یہ موہنہ ہاتھ دھو کر، اطمینان سے چائے پی، تمباکو والا پان کھا کر وہ حیا کے کمرے میں پہنچیں تو دروازہ کھڑا ہوا ہی تھا —— ذرا سے دھکے سے کھُل گیا —— انھوں نے اندر داخل ہو کر دیکھا تو کمرہ خالی! گھبرا کر اِدھر دیکھا اُدھر دیکھا —— نہ بچی نہ ماں —— باہر نکل کر کمرے میں جھانکا —— سب اپنے اپنے کاموں میں ساجے سنگار میں، سجنے سنورنے گنگنانے، ہنسی مذاق، چھیڑ چھاڑ میں لگی ہوتی تھیں۔

"اری لڑکیو! حیا کو دیکھا؟ ایک ایک سے پوچھتی گئیں —— ناں میں جواب پاتی گئیں —— دھڑ دھڑ کرتے دل کو پکڑ کے غفورے کو پکارا —— چھمن خاں کو آواز دی۔

"ارے نامُرادو! —— کہاں مر گئے سب کے سب —— ارے کسی نے میری بچی کو دیکھا ——"

چھمن خاں سراسیمہ سے بھاگے آئے: "بیگم صاحبہ میں تو پھاٹک ہی میں لیٹا رہا ہوں میرے سامنے سے تو نہیں نکلیں"

"اے تم پہ خدا کی مار —— پلنگ میں پڑے پڑے اکیلی جاتی تو کچھ نہ تھا۔ ننھی سی جان کو بھی ساتھ لے گئی —— ابھی اپنا آپ سنبھالنا تو آتا نہیں۔ بچی کو کیا سنبھالے گی —— ارے دوڑو جاؤ دیکھو درگاہ شریف نہ چلی گئی ہو —— ایسے ہی آج کل اُڑی اُڑی رہتی ہے دل کے سکون کی خاطر دعا مانگنے۔ فاتحہ پڑھنے چلی گئی ہو گی ——"

یہاں وہاں سب طرف آدمی دوڑادے گئے ـــــ لیکن بالموں میں بھی سب دن چوں چراں ہوگئی ـــــ سب اپنے اپنے کام چھوڑ کر وہیں آ کھڑی ہوئیں ـــ غفورا بھی آگیا ـــــ چمن خاں بھی یونہی لَوٹ آئے ـــــ کریمن، ظہورن جس کی جو جہاں تھی وہاں سے نتیجے ـــــ اپنے اپنے ٹھکانوں تک ہوآئے ـــــ کوئی خبر نہ ملی ـــــ زمانی بیگم تو بیدم ہو کر پڑی تھیں ـــــ ایک سے ایک خیالات دل و دماغ پر یلغار کر رہے تھے۔

: "بدنصیب اپنی جان پر نہ کھیل گئی ہو ـــــ آنسوؤں سے ہی ناطہ جوڑ لیا تھا ـــــ نہ کھانا نہ پینا ـــــ بات کرتی بھی تھی تو اس نامراد نواب کی ـــــ کیسے کھلے پھول کی طرح تازہ خوشبودار تھی میری بیٹی۔ مگر کیسی دھواں دھار ہو کر رہ گئی تھی ـــــ خدا کرے کسی جان پہچان والے کے ہاں رہ گئی ہو ـــــ یا اپنی کسی ملنے جلنے والی کے ہاں چلی گئی ہو ـــــ رات بھر بچی کو کیسے سنبھالے گی ـــــ نامراد کے دودھ بھی تو نہیں اُترا ـــــ چار دن بھی نہ پلا سکی۔ اوپر کے دودھ پر ننھی سی جان پل رہی تھی ـــــ ایسے ہی اُٹھا کر لے کر چلی گئی ـــــ نہ شیشی لے گئی نہ چمچی نہ کٹوری ـــــ کاہے میں دودھ پلائے گی ـــــ گدیلہ اور پھالیاں بھی تو یہیں دھری پڑی ہیں ـــــ خدا جانے پیسے بھی ساتھ میں لے گئی یا یونہی اُٹھ کر چل پڑی ـــــ یہ ننھی توشک اور دُلائی تو یہیں پڑی ہے ـــــ رات کو سردی میں بچی ٹھٹھر نے گی نہیں۔ خود اُس نامراد نے اللہ جانے کیا کھایا کیا نہیں۔ میں نصیبوں کی جلی سوتی رہی، اب جانے کب آئے؟" ایک سے ایک خیال آتا تھا اور نئے سرے سے ان کے دل میں ہول اُٹھتے تھے۔

"بڑے بڑے تالاب ہیں کہیں بچی سمیت جان دے دی تو ڈھونڈے سے لاشیں بھی نہ ملیں گی" پھر توبہ توبہ کرتیں ـــــ میری عقل پر پتھر پڑیں۔ جنے کیسی بُری بُری باتیں سوچ رہی ہوں ـــــ مریں اس کے دشمن ـــــ اٹھارہ انیس سال کی عمر بھی کوئی مرنے کی عمر ہوتی ہے ـــــ مجھ دکھیا کو چھوڑ کر مرے گی کیسے ـــــ اُسے پتہ نہیں کیا کہ ایک وہی ہے میری ـــــ پوری دُنیا لوگوں سے بھری ہوئی ہے ـــــ لیکن میری اپنی تو بس وہی ایک ہے۔ وہ کیسے مجھے چھوڑ کر

چلی جائے گی ـــــ آجائے گی۔

وسوسوں میں ایک دن گزرا ـــــ روتے بلکتے دوسرا دن گزرا ـــــ پھر سر پیٹتے پیٹتے آپ تو نوچتے تیسرا دن گزرا، اور پھر دن گزرتے ہی چلے گئے اور روتے روتے زمانی بیگم کی آنکھیں ونعتدلی ہوتی گئیں لیکن جیسے کو نہ آنا تھا نہ آئی ـــــ عمر ڈھل گئی تھی لیکن زمانی بیگم کی اپنی ایک ادا تھی ـــــ ایک انداز تھا ـــــ ایک ٹھسّہ تھا۔ محفل میں جس جگہ بیٹھ جاتیں لگتا کہاں بیٹھی ہیں ـــــ خضاب کئے ہوئے سیاہ بال ـــــ کان کی موتی بھری ہوئی ـــــ گہرا گہرا کا سیس، پوڈر۔ غازہ سے سرخ و سفید چہرہ ہونٹوں پہ لالی، اور اس کے اوپر مسّی کی اودی اودی دھڑی ـــــ ہلکا پھلکا زیور۔ ناک میں ہیرے کی لونگ۔ لشکارے مارتی ہوئی ـــــ کانوں میں موسم کے پھولوں کے ہالے ـــــ بھر بھر چوڑیاں ہاتھوں میں ـــــ انگلیوں میں سجاوٹ کی انگوٹھیاں بجی تھیں۔ تال دینے کے لئے بھاری سونے کی انگوٹھیاں الگ ـــــ شادی بیاہ کا موقع آتا تو پپوٹوں کے اوپر اور آنکھوں کے نیچے ہلکی ہلکی افشاں بھی چن لیتیں ـــــ بڑی متوالی اداسیاں کو زیر و زبر کر دینے والی آنکھیں تھیں ـــــ اور اس پہ مستزاد ہنسی ـــــ لوگ ہونٹوں سے ہنستے مسکراتے ہیں، اور وہ آنکھوں سے یہ کام لیتی تھیں ـــــ اسی لئے جس کونے میں بیٹھ جاتیں وہ کونہ ہنسنے لگتا ـــــ کہنے والے کہتے: "اس عمر میں بھی مال چاہے تو بیٹی کا گاہک ترسائے ـــــ" ایسی چھب تھی کبھی چوڑی دار، کبھی غرارے ـــــ

لیکن اب وہی دمکتی چمکتی زمانی بیگم تتر بتر ہو گئیں ـــــ خضاب چھوٹا تو یہاں وہاں سے سفید سفید بادل جھلکنے لگے ـــــ کاجل والی آنکھیں روتے روتے یوں پڑی بتی کی طرح چوپٹ ہو گئیں ـــــ غازے پوڈر سے اجلائے گئے گال آنسو پونچھتے پونچھتے چنڈیوں اور دھجیوں کی طرح لٹک آئے ـــــ کہاں تو جس جگہ بھی بیٹھ جاتی تھیں وہ کونا کھرا کھرا ہنستا بستا لگنے لگتا تھا، اب پائنتی پڑی مڑی تڑی رلائی کی طرح کہیں بھی پڑی رہتیں تو

لوگوں کو نظر بھی نہ آتیں ـــــ لڑکیوں بالیوں نے یہ ولیرے دیکھے تو پہلے ہی کون سا اچھا رہتی تھیں اب تو بالکل ہی کونے میں ڈال دیا ـــــ چوک کے اس جگمگاتے کوٹھے کی تو رُت ہی بدل گئی۔

کہنے والے غلط نہیں کہتے کہ رنڈی ہوتی تو سدا سہاگن ہے لیکن ایسی سہاگن مگر بُرا بھلا وقت پڑے تو کوئی سہاگ ایسا نہیں ہوتا جو وقت پر سہارا دے ـــــ بیمار پڑے تو تیمار داری کرے۔ بڈھی ہو تو خدمت کرے ـــــ جس طرح دولت آتی ہے، ایسے ہی جاتی بھی ہے ـــــ زمانی بیگم کو دیکھ کر کوئی یہ نہیں سوچ سکتا تھا کہ ایسے تیسے اور مٹھے کی ایسی زبان چلانے والی عورت یوں ڈھول میں ہو کر کونا پکڑے گی ـــــ اُن میں تو اُمتھے بھر کا بھی دَم نہیں رہ گیا تھا ـــــ چاروں پانچوں لڑکیوں نے صلاح مشورہ کر کے پُورا جمع جتھا قبضے میں کیا اور سنے ٹھکانوں پر جا کر بیٹھ گئیں ـــــ غفورا سدا کا بھگوڑا تھا۔ بار بار بھاگتا ـــــ بار بار چمن خاں پکڑ پکڑ کر لاتے کہ بیگم صاحبہ کو باہر کے سودا سلف کی آسانی تھی۔ اب وہی ڈھے گئیں تو کون بازار کا کوڑی پھیرا کرواتا ـــــ کریمن کو صابر اپنے ساتھ لگا لے گئیں ـــــ ظہورن تو ہمیشہ سے باورچی خانے کی سلطنت کی ملکہ تھیں۔ کبھی تو اِدھر قدم نہ دَھرا ـــــ اس اللہ کی بندی کو تو یہ تک بھی معلوم نہ تھا کہ رات بجتے ہی یہاں کیسے دِن نکل آتا ہے اور کیسے کیسے سہاگ چڑھتے اور بن برأت دُولہے آتے ہیں۔ وہ اپنی بیگم صاحبہ کی دی ہوئی باورچی خانے سے لگی کوٹھری میں بے حد مگن رہتی ـــــ بلا ضرورت نہ بیگم صاحبہ سے بات کرتیں نہ کسی اور سے ـــــ ہاں خود سے جی چاہتا تو تعبیر بے تعبیر سے حالات حاضرہ پہ کئے جاتیں ـــــ بیگم صاحبہ کے بیمار پڑ جانے کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا ـــــ جانے والیوں نے البتہ ساتھ لے جانے کی پیشکش کی تو خوب غصہ ہو کر بولیں :

”تم حرام خور نیال جاتے ـــــ جاؤ ـــــ اُتوں میرے کو جیتے جی کھانے کو ٹکڑا

دیتے، پہننے کو کپڑا ـــــ مرتے پہ زمین کا ٹکڑا بھی دیں گے اور کفن کا لٹھا بھی ـــــ بھائیں بھائیں کرتے گھر میں صرف ایک چھمن خاں تھے جو صحیح معنوں میں بیگم صاحبہ کے غم خوار تھے۔ پکڑ دھکڑ کر زبردستی چند نوالے کھلا دیتے ـــــ وہ کھوک کھوک دیتیں ـــــ یہ مونہہ صاف کرتے ـــــ ذرا ہوش میں آتیں اور طاقت پاتیں تو اٹھ اٹھ کے گلی میں بھاگتیں ـــــ ایک ایک کو پکڑ کر غور سے دیکھتیں اور پوچھتیں :

"تم حیا تو نہیں ؟"

"تم نے میری بیٹی کو تو نہیں دیکھا ـــــ ؟" محلے میں سارے لوگ ان کی بپتا سے باخبر تھے، کوئی کچھ نہ کہتا ـــــ لوگ ترس کھا کر ہٹ جاتے ـــــ راستہ چھوڑ دیتے ـــــ چھمن خاں انہیں پکڑ کر گھر لاتے ـــــ مونہہ دھلاتے ـــــ ظہورن سے کہہ کر کپڑے بدلواتے ـــــ بیگم صاحبہ کی ایسی حالت دیکھ کر ظہورن نے اب باورچی خانے سے آگے بڑھ کر گھر سنبھالنا بھی شروع کر دیا تھا ـــــ اپنی بیگم صاحبہ کی حالت دیکھ کر وہ بھی آدھی رہ گئی تھیں ـــــ نوماہی بیگم ذرا حواسوں میں آتیں تو چھمن خاں اور ظہورن کو دل کی بپتا سنانے بیٹھ جاتیں ـــــ وہ حیا کی ساری تباہی کا ذمے دار خود کو سمجھتی تھیں اسی لئے اتنا کڑھ بھی رہی تھیں ـــــ کیا لڑکیاں، ان کے طبقے اور ماحول کی لڑکیاں گھروں سے نہیں بھاگ جاتیں، تو کیا بھاگنے والی لڑکیوں کے پیچھے مائیں یونہی اپنے آپ کو تباہ کر لیا کرتی ہیں ؟ وہ سوچتیں ـــــ نواب کو ساری ڈھیل میں نے دی ـــــ حیا کو بنا سنوار کر، اس کے پاس تنہائی میں نواب کو بھیجا ـــــ جوان لڑکی ـــــ خوب صورتی، تنہائی اور قدرتی شرم۔ ساری چیزوں نے مل کر نواب کو پاگل کر دیا اور وہ دل سے گزر گیا ـــــ لوگ کوٹھوں پہ نماز پڑھنے نہیں آتے ـــــ وہی کرنے آتے ہیں جو نواب نے کیا ـــــ لیکن میں چپ ہی تو عین نکاح والے دن بیٹی کا ہاتھ پکڑ کر نواسی کو گود میں لے کر سارے حیدرآباد کے سامنے ناک نیچی کروا سکتی تھی ـــــ لیکن یہاں بھی میری ہی خود غرضی کام آئی ـــــ میں نے سوچا

گھر کی آمدنی گھر ہی میں لگ گئی — شائق گئی — یہ نہ سوچا آخر دن ختم ہو گیا اس
سوہو رزیاں کو اپنے جی کا ناسور بنا لے گی — پہلے تو اب شادی کر کے تین طلاقیں
دے دیا، یہ اس کا اپنا مقدر ہوتا جو وہ خود بھگت لیتی — لیکن میں تو اس قتل میں خود کو
ملوث نہ پاتی — اب تو ایسا لگتا ہے کہ یہ قتل ہے اور اس قتل کے چھینٹے میرے بھی دامن
پر ہیں —" پھر وہ چلا چلا کر رونے لگتیں — آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا اٹھا کر
دعا کرتیں، بین کرتیں — اپنا مقدمہ اپنے اوپر والے کے رو برو پیش کرتیں۔

"اے مالک تو صاحبِ بصارت ہے — وہ دور بیٹھا ہے لیکن بڑا بصیر ہے —
دیکھ یہ زندگی تیری ہی دی ہوئی ہے — تو قادرِ مطلق ہے — نصیب کے نصیب
تو ہی بناتا ہے — میرے نصیب بھی تو نے ہی بنائے — میں اپنے نصیب کی کاتب
ہوتی تو یہ سب دربدری، یہ آلام، یہ گناہ کی زندگی کیوں لکھتی — چین آرام کی سکھ
بھری زندگی نہ لکھتی —؟ اپنے ہاتھوں خود بننے والا رہتا تو کوئی انسان آج بدصورت ہوتا
نہ غریب ہوتا نہ بدنصیب ہوتا — یہ سب تو تیرے ہاتھ کے کھیل ہیں مالک — تیرے
لکھے کو ہم لوگ بھوگ رہے ہیں، تیری دنیا کے راز تو ہی جانے — لیکن میرے مولا
تو جو دنیا میں بھیجنے سے پہلے ہی نصیب کا لکھا لکھ دیتا ہے تو میں گنہگار کیسے ہوئی، یہ تو
تیرا اپنا لکھا تھا جو میں نے پورا کیا — اس میں میرا اپنا قصور اور گناہ کہاں ہوا —
میں اندھی تھی تو نے ہاتھ میں جو لاٹھی تھما دی اسے پکڑ کر میں چلتی گئی — پھر میرے سر پہ
رسوائیاں کیوں — جو رسوائیاں تو نے دے بھی دیں تو یہ دل حساس کیوں دیا — ساری
زندگی ہی گناہوں اور بے حسی میں گزارنے کا حوصلہ بھی دے دیا ہوتا — احساسِ گناہ کیوں
دیا — معافی اور توبہ کی خواہش کیوں دی — اور جب دے ہی دی تو معاف کرتا
کیوں نہیں — اور جو معاف نہیں کرنا چاہتا تو یہ زندگی کی سزا ختم کر دے —" وہ
دھاروں دھار روتیں — میں ہار گئی رے مالک — ہار گئی —"

نواب شوکت کے محل سے جب صاحب زادے پاشا کی ولادت کے لڈو اور ناچنے گانے کا نیوتہ دینے ۔ دیوان جی ——— خواجہ سرا اور دربان پہنچے ہیں تو زمانی بیگم کے کوٹھے پر اُتو بول رہے تھے ——— بڑی دستکیں دینے کے بعد ظہورن باہر نکلی ———

"کیوں بڑی بی ——— زمانی بیگم کا کوٹھا یہی ہے نا ———" کسی نے پوچھا ——— ظہورن کو تو آج تک زمانی بیگم کا نام ہی معلوم نہ تھا ——— ان کے لئے تو وہ صرف بیگم صاحبہ تھیں ——— بولیں :

"یا تو پوچھو ——— میرے کو نہیں معلوم ———" پڑوس کے دو چار تن پڑ گئے ——— ایک بڑے میاں نکلے ۔

"کیوں حضرت ——— زمانی بیگم یہاں پر ہی رہتے تھے نا ؟" دیوان جی نے پوچھا ۔

"وہ دہلی والی ———"

"دہلی لکھنو تو ہم کو نہیں معلوم ——— اتنا معلوم ہے ان کی ایک بہوت ہی بہوت خوب صورت بیٹی حیا ہوتی ———"

"ہاں وہی تو زمانی بیگم تھیں ——— مر گئیں بے چاری ۔ وہ افسوس سے بولے ۔

"ہائیں ——— ابھی سال بھر بھی تو نہیں ہوا نہ لوگاں محل پہ ناچنے گانے آئے تھے ۔

بڑے میاں ذرا جز بز ہو کر بولے ۔

"جناب ——— آپ سال بھر کی بات کرتے ہیں ——— آپ تو مجھے اتنا ہی یقین دلا دیں کہ اگلے لمحے تک ہی آپ زندہ رہ جائیں گے ——— ارے جناب یہ اس مالک کے کھیل ہیں وہی جانے ———"

دیوان جی تاسف سے بولے ———" لیکن ہوا کیا تھا ——— ؟

"جی بس ان کی صاحب زادی حیا مع اپنی شیر خوار بچی کے اچانک لاپتہ ہو گئیں بہت تلاش کروائی ، کچھ پتہ نہ چلا ——— اسی غم میں جان سے گزر گئیں ۔

"ان کے گھر کے دوسرے لوگاں —— اور سازندے؟"

"گھر کے اور لوگ تو کہیں اور جاکر بس گئے —— رہے سازندے —— تو ایک بڑے حضرت رہ گئے تھے بس —— اتنے وفادار تھے کہ جس دن بیگم صاحبہ مری ہیں اس دن سے مارے غم اور صدمے کے زبان ہی بند ہو گئی تھی —— اور بالآخر اسی غم نے انہیں بھی وہیں پہنچا دیا، جہاں سے کوئی واپس نہیں آتا ——" ماحول پر عجیب عبرت ناک سناٹا چھا گیا تھا ——

شوکت محل میں جشنِ ولادت اپنے عروج پر تھا —— ایک تو نواب شوکت نے شادی ہی عام نوابوں کے حساب سے ذرا دیر سے کی تھی۔ اس لئے اماں حضور کو اولاد ہونے نہ ہونے کی طرف سے دھڑکا لگا رہتا تھا۔ لیکن جب خدا کے فضل سے شادی ہوتی تو ابھی پانچ مہینے بھی نہ گزرے تھے —— چمگیاں بھی نہ ہوئی تھیں کہ بہو پاشا حمل سے ہو گئیں محل میں مل بیٹھنے والیاں منہ پلوؤں اور آنچلوں میں چھپا چھپا کر ہنستی اور آپس میں بولتی تھیں ——

"ایو ماں —— پہلی رات کو ایچ حمل رہ گیا ہے کی ——؟"

"بہو برا ایسا ایچ ہوا ہوئیں گا —— دلہن پاشا کے پھول آتے ہوئیں گے —— شادی کی رات پڑتی سو اگنوں اسی دن پاکی کا نہانا نہاتے ہوئیں گے —— پھر دوسرے دن مرد سے مل کر اگنوں بستر سے کا پانی نہاتے ہور سمجھو وہی اچ رات کو استقرار ہو گیا!"

"تو بہ تو بہ ماں —— کیا بڑے بڑے باتاں کرتے جی تمے رانڈاں —— کوئی چھوکریاں سنتے تو ——"

"آج کل کے چھوکریاں کو سب معلوم ہے ——" دھیرے دھیرے یہ باتیں اماں حضور کے کانوں پر بھی گئیں اور جو بے اولادی کا دھڑکا اُن کے جی کو لگا تھا

اسنو سے دُور کیا ——

"آپ خوا ئی نخوا ئی فکر کرتے پاشا —— " خواصوں میں سے ایک بولی "میرے کو معلوم —— متی بولی تھی —— اُنے سرکار کے کمرے میں غلطی سے ایک رات کو چلی گئی تھی تو اس کو دائی ماں کی ضرورت پڑ گئی تھی دو مہینے کے بعد —— ہو —" اب نا اصل ماما کنیزوں کی بات کا کیا اعتبار —— لیکن جب خود بادشاہ کو بنے ڈھنگی چال چلنے دیکھا تب اماں حضور کا دل دِل میں آیا —— پھر خدا کی عظیم قدرت دیکھ کر پہلی بار ہی بیٹا ہوا —— ایسی خوشی کے موقعے پر جتنا بھی بڑا جشن ہوتا کم ہی تھا —— کوئی اجنبی آ نکلتا تو یہی سمجھتا کہ یہاں کوئی شادی رچی ہی ہے —— وہ سجاوٹ تھی کہ آنکھیں خیرہ ہوتی جا رہی تھیں —— باہر یہاں سے وہاں تک شامیانے لگے ہوئے —— لانوں میں جتنے درخت پودے تھے سبھوں میں ننھے ننھے قمقمے لگا دئے گئے تھے —— سُرخ رنگ کے ہرے رنگ کے —— دُور سے ایسا لگتا تھا کہ جھاڑوں اور پودوں میں پھول پتے چمک رہے ہیں —— رنگین اور چمک دار پنیوں کے پھول پتے شامیانوں کی جھالروں پر لگا تے گئے تھے —— تذر گدیلوں پر سفید چاندنیاں، ان پر مسندیں —— گاؤ تکئے —— ہال الگ سجا ہوا —— آج مہمانوں کا کوئی حساب نہ تھا —— گانے، ناچنے والوں کے لئے بھٹیارے الگ ایک سے پکوان پکا رہے تھے —— اندر معزز مہمانوں اور خاندان والوں کے لئے سارے محل کے باورچی جُتے ہوئے تھے —— مرانثیں زچہ گیریاں گا رہی تھیں ——

"اجی سونف مکھانے کیوں نئیں لاتے" —— "اجی میں بھول گیا تھا ——" ایک میراثن دوسری کو ٹہوکا دے کر بولی۔

"اگے سونف ٹھنڈی رہتی اگے —— زچگی جاپے میں سونف نئیں سونٹھ دیتے —— سونٹھ مکھانے کا ——" دوسری نے جلدی سے ٹکڑا لگایا: "سونٹھ مکھانے کیوں

لائے۔ — اجی یُہ بھُول گیا تھا —— اجی میں بھُول گیا تھا ——، یہ تو زچہ گیریوں کی بات تھی —— لیکن دراصل آج نواب شوکت ایک بھی چیز لانا نہیں بھُولے تھے —— آج وہ اس درجہ خوش تھے کہ ان کے ہونٹ مارے ہنسی کے مِل نہیں پا رہے تھے —— بس مونہہ کھُلا کا کھُلا ہی رکھا تھا —— میوے سے لے کر زر زیور کپڑا لتّا —— اُنہوں نے تو محل میں بازار سجا دیا تھا —— میوے —— ایسے ایسے میوے یہاں سے وہاں تک بادام کی گرگریاں —— منقے، کاجو، پستے، کشمش، خرمے، چھوارے، چرونجی، خشخاش، کھوپرے، چلغوزے، اخروٹ کے ڈھیر کے ڈھیر لگے رکھے تھے —— لونگ، الائچی، جائفل، سپاری چکنی، مکھانے، سونٹھ، جوز، جاوتری، زملی، ایک۔ ایک میوہ اور مسالہ چنا رکھا تھا کہ بہو پاشا چالیس دن تک بتیس کے لڈو کھائیں، جو بتیس میوؤں مسالوں سے مِل کر تیار ہوتا تھا کہ جب چلّہ نہا کر اُٹھیں تو چاق و چوبند اُٹھیں کہ دوسرے بچے کا وزن ہنسی خوشی جھیل سکیں —— چھ ماہ تک یہ لڈو کھلائے جائیں گے —— صبح ہی صبح دودھ زعفران اور پسے ہوئے باداموں کے ساتھ اصلی گھی سے بگھار کر الگ پلایا جائے گا کہ بچے میں مردانہ صفات اور اوصاف جلد سے جلد پیدا ہوں —— بھئی قسمت والیوں کو پہلوٹھی کے بچے اللہ عنایت کرتا ہے —— بیٹا پہلا ہو تو باپ کا بازو بنتا ہے —— کام کاروبار سنبھالتا ہے —— زندگی کا بوجھ اُٹھا لیتا ہے —— یہاں کون سے بوجھ اُٹھانے تھے —— نواب شوکت خود کون سے بوجھ ڈھوتے آتے تھے —— لیکن بیٹے کا باپ بننا ہی کچھ اور ہوتا ہے —— ایک غرور سا، نشہ سا رگ و پے میں بھر جاتا ہے۔

دادی الگ پھولوں نہیں سما رہی تھیں —— رہ رہ کر بہو بیگم اور پوتے پر واری بلہاری جا رہی تھیں —— دُلہن پاشا نئے سرے سے دُلہن بنی بیٹھی تھیں —— ایسا سنگھار تھا کہ دُلہنوں کو شرم آ جائے —— وہ نُور اُترا تھا کہ چاند بدلی میں چھُپا چھُپا جائے —— سچ ہے عورت پر تین بار ہی تو نُور اُترتا ہے —— شادی کے دن —— ماں بننے کے

دِلن اور سُہاگن مَرے تو موت کے دِن ——

یہ مال سینے کا نُور تھا، جو دن گزرنے پر بڑھتا ہی جاتا ہے —— اور آج تو دس ہی دن ہوتے تھے —— ابھی تو چہرے کو چودھویں کا چاند بنتا تھا، پھر بھی جو دیکھتا، دیکھتا ہی رہ جاتا —— مردانے سے لے کر زنانے تک ایک ایسی رونق لگی ہوتی تھی کہ دیکھے سے جی نہ بھرتا —— اپنے چاندی کے چھپر کھٹ پر دُلہن پاشا آدھی لیٹی، آدھی بیٹھی، سارے ہنگاموں سے لطف اندوز ہو رہی تھیں —— پاس بیٹھی سُسرالی، رشتے دار شدہ دل لڑکیوں کی باتیں مزے لے لے کر سُن رہی تھیں —— اسی دم باہر سے ساز چھیڑنے کی آوازیں آنے لگیں۔

"اے ہے اب تو گانا ناچنا ہوئیں گا —— چلو چلمنوں کے پیچھے سے تماشا دیکھیں گے —— لڑکیوں میں شور مچا ——

"اونہہ چلمنوں کے پیچھے سے کائے کو —— دروازوں کے پاس سے جھانکیں گے جی —— اتنے لوگاں میں کون کس کو دیکھے چلا ——" اپنا آپ نمایاں کرنے کی ادا عورت ذات میں جانے کتنی پُرانی ہے ——

"ایسے جوتے پڑیں گے —— امّی حضور کی ڈانٹ معلوم نئیں کیا ——؟"

"ڈانٹنے دیو —— روز روز ایسے موقعے تھوڑی آتے —— پھر کِتے خوب صورت خوب صورت ناچنے گانے والیاں ہیں —— آپا!" کوئی سینہ تھام کر بولی۔

"اَئی چلو ماں —— کوئی خوب صورت نہیں اتے —— میں خود سے دیکھی۔ اُجاڑ کیا کیا تو بھی مونہہ پر تھوپ تھوپ کر آتیاں ہور اتّا زر زیور پہنے تو نئیں لگتا کیا واہ انسان بھی خوب صورت لگتا ——"

"سب فضول کے باتاں کرو تم —— وہ حیاتاں آپا (طوائف) کیسی خوبصورت تھی آپا —— میں سچی بولتیوں اُس کے مونہہ پر نظر نئیں ٹھیرتی تھی —— کیا چاند

سورج کے نیلا چہرہ تھا ——"

"وہ اس واسطے تھوڑی خوب صورت لگتی تھی کی ڈنے زر زیور پہ ر سنگھار بہوت کرتی تھی —— آگے وہ تو بات اینچ کچھ اور تھی —— ایک راز داری سے بولی۔

"کیا بات تھی ——" دوسری دو چار نے تجسس سے پوچھا۔

"آگے وہ نواب صاحب کو چاہتی ہوئیں گی" پہلی والی نے فیصلہ سنا دیا۔

"چل کے پاگل کدھر کی —— تیرے کو معلوم بھی پڑ گیا جیسا ——"

"پھر کیا عورت کی نظر چھپتی نئیں ——"

"مرد کی بھی کہاں چھپتی ——"

"ہو —— وہ تو بی اینچ —— یاد نئیں کیا نواب صاحب بھی اُس کو کیا دیکھ لے رہے تھے —— اَیا —— کیسے نظراں ستے کی بس ——"

"آج آئیں گی تو مزہ آئیں گا نا ——"

"آج وہ نئیں آئیں گی ——"

"کا ئے کو —— ؟" بہت ساری آوازوں نے بیک وقت افسوس اور تجسس سے پوچھا ——

"وہ بلدہ چھوڑ کو چلی گئی بولتے ——"

"بلدہ (حیدر آباد) چھوڑ کر اینچ چلی گئی —— ؟ مگر کیوں —— ؟"

"اللہ معلوم —— باہر دو چار لوگوں بات کر رہے تھے. کلا بتو بیان نے کر گئی تھی تو سُن کر آئی —— وہی اینچ میرے کو بولی ——"

"اُنے ہوتی تو بہوت اچھا رہتا تھا نا —— کتنا اچھا گانا گاتی تھی نا ——"

جن کے محلوں میں ہزاروں رنگ کے فانوس تھے
جھاڑ ان کی قبر پہ ہے اور نشاں کچھ بھی نئیں

دُلہن پاشا نے ہولا کر اپنے سر پر جگمگاتے فانوس کو دیکھا ـــــ اپنے اطراف بکھرے ہوئے رنگ و نور کے سیلاب کو دیکھا ـــــ بڑے اطمینان سے سوتے اپنے ننھے منے بچے کو دیکھا، ان کا دِل دہل گیا ـــــ چاندی کے چھپر کھٹ پر بیٹھے بیٹھے ان کا وجود ہل گیا ـــــ دھیرے سے اپنی خلیری نند کو پکارا ـــــ

"شرفو ماں ـــــ" شرفو لپک کر آئی۔

"جی بھابی پاشا ـــــ"

"بی بی فدا اپنے بھائی پاشا کو بُلا کر لاتے ـــــ"

"ابھی لاتیوں بھابی پاشا ـــــ" اور وہ اپنا کرن ٹکا ہرا دوپٹہ سر پر جماتی تیزی سے مرفانے کی طرف لپکی ـــــ

خواجہ سرا زنانے سے نیوتہ لے کر مرفانے میں پہنچے ـــــ شوکت نواب دوست احباب و مصاحب اور ملنے جلنے والوں میں گھرے بیٹھے تھے۔ پانوں کے دور چل رہے تھے ابھی ناچنے والیوں نے گھنگرو نہیں باندھے تھے ـــــ تال دینے والیوں نے چوڑیاں نیچے کھسکا کر آستینیں نہیں اُٹھائی تھیں ـــــ سازوں کو کھنگالنا شروع ہو چکا تھا ـــــ ڈھولکیوں کے کردوڑے کئے جا رہے تھے ـــــ طبلوں کی ڈگیاں اور گتیاں ٹٹولی جا رہی تھیں ـــــ ڈگیوں کو تھپ تھپا کر ـــــ اور گتیوں کو نیچے اوپر سرکا کر طبلوں کو سُر کیا جا رہا تھا ـــــ ہارمونیم بجانے والے پردوں کو اپنے کلیجے سے دور، پرے کر کے اپنے فن کو آزما رہے تھے ـــــ ڈھول، تاشے سارنگی، دَف گھنگرو ـــــ ماحول گونج رہا تھا ـــــ جگمگا رہا تھا ـــــ ایسے رنگین ماحول سے اُٹھ کر جانا نواب شوکت کو کھل گیا، لیکن بلاوا دُلہن پاشا کا تھا ـــــ جنہوں نے اس ہنگامے کو جنم دیا تھا ـــــ ایک بیٹے کی ماں کا بلاوا ـــــ وہ جھومتے ہوئے اُٹھے ـــــ اپنے وزن کو سنبھالنے میں، بیٹھے سے کھڑے ہونے میں، خون ان کے تر و تازہ چہرے پر چھلک چھلک اُٹھا ـــــ قدم قدم پر سینکڑوں نگاہیں

اُن کے سراپے پہ فدا ہونے لگیں ــــ

دُلہن پاشا تک پہنچتے تو چہرہ مُردا تے سے زمانے تک کالمبا جگمگاتا فاصلہ طے کرنے میں ہلکے ہلکے پسینے سے چمک اُٹھا تھا ــــ اتنا خوبرو مرد ہو تو کسی اتائن کا کیا ہے، سات پردوں میں رہنے والی بھی جی ہار سکتی ہے ــــ دُلہن پاشانے بڑے انداز سے پوچھا :

"میرے بلاتے پر عصّہ تو نئیں آیا آپ کو ــــ" وہ خوش دلی سے ہنستے۔

"آپ تو زندے کو بلاتے ــــ مُردے کو بھی بلاتے تو ہم قبر سے اُٹھ کر آجاتے"

"اللہ مَر جاؤں ــــ" دُلہن پاشا گالوں کو چھتے اور انگوٹھیوں بھری اُنگلیوں سے بوٹے بوٹے مارتی ہوئی بولیں۔ کیسی بُری زبان بکتے جی آپ ــــ اللہ نہ کرے کی آپ جیساؤں کو کبھی کچھ دھکّا لگو ــــ" وہ زور سے ہنسے۔

"اچھا یہ تو بتائیے کہ یہ وحشت یاد کیسے کئے آپ ــــ" بھولی بھالی بیگم نے دل کے دُبدے کو چھپائے بغیر صاف سیدھے انداز میں پوچھا۔

"آپ خود تو حیب اتائن کا گانا شوق سے سنتے مگر ہم کو کبھی نہیں سُناتے ــــ" نواب شوکت نے دماغ پر زور ڈالا ــــ کچھ دیر ماتھے پر اُنگلی ٹکا کے سوچتے رہے، پھر بولے :

"حیا ــــ؟ حیا کون ــــ؟"

دُلہن پاشا کے دل کو قرار آگیا ــــ نواب صاحب کے چہرے پہ بناوٹ کا نام نشان تک نہ تھا ــــ جو مرد ماتھی میں برتی ہوئی عورتوں کو اس آسانی سے بھول جاتے ہیں کہ ماتھے پہ اُنگلی ٹیکا کر دیر تک سوچنے پر بھی یادوں کے اُفق پہ کوئی چاند نہ جگمگائے وہ بڑے اچھے شوہر ثابت ہوتے ہیں ــــ وہ مسکرا کر بولیں :

"آپ کو ابھی تک یاد نئیں آیا ــــ؟"

اس بار انہوں نے "آہا ــــ اچھا ــــ اچھا ــــ وہ" کہہ کر بڑے خلوص سے

اعتراف کیا ـــــ "ہاں یاد آگیا ـــــ ایک بار یہاں محل میں آئی تھی ـــــ ہم ہی بلوائے تھے ـــــ بجی بہت ہی اچھی آتا تی تھی ـــــ ناچتی بھی خوب تھی ـــــ گاتی بھی خوب تھی ـــــ وہ اطمینان سے چاندی کے چھپر کھٹ پر نیم دراز ہو گئے ـــــ جوتے سمیت پاؤں اٹھا کر اوپر ہی رکھ لیے اور مزے مزے سے سنانے لگے ـــــ

"اصل میں اس کی ماں جو تھی نا، وہ ناچنے گانے کے اور بجانے کے فن سے بھی بہت اچھی واقفیت رکھتی تھی ـــــ ان ماں بیٹی کے سازندے بھی خوب تھے ـــــ ان لوگوں کا طریقہ کیا تھا معلوم ـــــ ان کے اُستاد طبلے کے بڑے اچھے اُستاد تھے ـــــ ناچنے سے پہلے اُنوں کوئی بھی ایک تال خوب دیر تک بجاتے تھے ـــــ اب ہم تو اتنی باریکی سے نہیں سمجھ سکتے نا ـــــ کسی کو وہ جھپ تال بولتے تھے ـــــ کسی کو تال دادرا ـــــ اور بھی اللہ معلوم کیا کیا ـــــ پھر جب گھنگھرو والے دھا دھا اور تن تن اور بھی نہیں معلوم کیا کیا سُن کر میت ہو جاتے تھے تو وہ بہت سارے سا تال بجا بجا کر اپنی بیٹی کو ـــــ ہمارا مطلب ہے وہ ماں اپنی بیٹی کو نچانے کو کھڑا کر دیتی تھی ـــــ آپ پوچھو نا یہ سب لڑکیاں دیکھے ہوئیں گے ضرور ـــــ" انہوں نے پاس، دُور کھڑی لڑکیوں کی طرف اشارہ کر کے بڑے خلوص سے کہا

"ہو روہ گانا بھی بہت اچھا گاتی تھی ـــــ؟"

"گانا تو گانا ـــــ آواز اتنی اچھی تھی کہ ہم کو مثال یا تشبیہ بھی نہیں سوجھتی ـــــ بجی اس معاملے میں تو آپ بدنصیب ہیں ـــــ" وہ چھپر کھٹ پہ رکھے خاصدان میں سے ایک سونے کے ورق میں مڑھی گلوری منہ میں ڈال کر بجتے کے گال کو اُنگلی سے چھونے اور ہنسنے لگے ـــــ مرد اگر کسی عورت کے ذکر پر آئیں بائیں شائیں کرنے لگے، آنکھیں جھپکانے لگے ـــــ ذکر سے کترانے لگے یا جان بوجھ کر اس موضوع سے دُور بھاگنے لگے تو سمجھو کہ پانی مرتا ہے ـــــ اور یہی چیز خطرے کی علامت ہے لیکن جب کوئی مرد کسی غیر عورت

کے بارے میں بڑے کھلے دل سے بات کرے تو سمجھو کہ واقعی اس کا دل کھلا ہے، اس میں کچھ بھی نہیں ـــــ کم سے کم اس عورت سے متعلق تو کچھ بھی نہیں جس کی بات اس وقت چل رہی ہے ـــــ

" کیوں میں کانے کو بدنصیب ہوں ـــــ" وہ مسکرا کر انہیں دیکھنے لگیں۔

" اب یہ بدنصیبی نہیں تو اور کیا ہے کہ آپ اتنی اچھی ناچنے والی کا ناچ دیکھے نہ گانے والی کا گانا سُنتے ـــــ"

" تو اب سُنوا دیجئے نا ـــــ"

" اب ـــــ ؟" وہ 'اب' کو لمبا کر کے بولے ۔ " ارے باوا وہ تو کب مر کھپ گئی خدا معلوم ـــــ" اور ایسا کہتے ہوئے وہ ذرّہ بھر بھی احساس سے نادم نہ ـــــ اپنے بچے اور بیوی کے پاس بیٹھے وہ دُنیا کے سب سے مطمئن اور مسرور شخص لگ رہے تھے دلہن پاشا کا دل ہر وسوسے سے پاک ہو گیا ـــــ لاڈ سے مسکرا کر بولیں ۔

" آئی واہ ـــــ سلیم شاہی جوتے ہیں تو کیا خدائی تحفہ ہو گئے کہ میرے ریشمی بستر پر اتنے لے چڑھ گئے آپ ـــــ ہوا اب باہر جائیے نا ـــــ ایک بات پوچھنے کو بلائی تو یہیں جم کر بیٹھ گئے ، باہر گانا شروع ہونے والا ہوئیں گا ـــــ لوگاں کیا سوچیں گے ـــــ"

" لوگاں کیا سوچیں گے ، وہ تو لوگاں سوچیں ـــــ" وہ دُلہن پاشا کے دس دن کے دودھ سے بوجھل سینے کو للچائی نظر سے دیکھتے ہوئے بولے ۔ " ہم آپ کو بتانا کیا کی ہم کیا سوچ رہیں ـــــ ؟" دُلہن پاشا شرم ، خوشی اور محبت سے سُرخ ہو کر دل ہی دل میں سوچنے لگیں ۔

" موئی ـــــ یہ پوتیاں بھی ایک نمبر کے لپاٹیاں ہیں چپ چپ دل سے کچھ بھی لگا دینا بھی میں ' اُون ' کا دل اٹکا رہتا تھا تو اُون میرے پر ایسا لبلوٹ ہوتے تھے کیا ـــــ ؟"

اور حقیقت بھی یہی تھی کہ نواب شوکت ایک چھوڑ کئی جانوں سے اپنی دُلہن برقرار رکھ سکتے تھے ——— دیکھنے میں یہی آیا ہے کہ اِدھر اُدھر مونہہ مارنے والے جب گھربار کے ہوئے تو بیوی ہی کے ہو کر رہ گئے ——— شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ ہر طرف کے، ہر طرح کے مزے چکھ لینے کے بعد دِل بھر سا جاتا ہے اور پھر شادی ہو جانے تو ایک بیوی سے مطمئن ہو جاتے ہیں ——— اور بڑے شریف پارسا جو کسی لڑکی کی طرف نظر بھی نہیں اُٹھاتے ہوں شرافت کے ایسے دعوے دار ہوں ؛ وہ شادی کے بعد خوب کھل کھیلتے ہیں ——— شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ عورت جیسے لذیذ پھل کا ذائقہ پہلے تو کبھی چکھا نہیں ہوتا ——— بعد میں یہ افسوس اور پچھتاوا آتا ہو کہ "ارے واہ ایسے مزے سے یونہی محروم رہے" اور یوں اِدھر اُدھر مونہہ چکنا شروع ———

تو نواب شوکت اتنے دنوں کنوارے رہے تھے ، یونہی نہیں رہے تھے ، ایکو ایک کی مُنہ لگی ، ایکو ایک کچّا ، پکّا ، اِدھر لپکا تمپس چکھا اور جب خوب مزے باغ زندگی کے لُوٹ لئے تو چلو ماں کو خوش کرنے اور نسل چلانے شادی بھی کر ہی لو ——— سوکر لی ——— اور اللہ نے نسل چلانے کا انتظام بھی کر ہی دیا ——— پہلا ہی بیٹا دیا۔ ساس کی نظروں میں بھی بہو قابلِ عزّت ٹھیریں کہ سال نہیں گزرا اور دادی بنا دیا ——— اور دادی بھی پوتی کی نہیں پوتے کی ——— اور شوہر تو بیٹے کے باپ بنا دینے جانے پر دُلہن کے قدموں تلے قالین بن کر بچھ گئے ———

لیکن یہ بھی اللہ کی شان کہ پہلا تو بیٹا دے دیا کہ بہو پاشا کی تو توتی ہو جاتے خوب قدر عزت چاہت کی مستحق ہو جائیں ، اس کے بعد تو وہ بیٹیوں کی برسات ہوئی کہ بس ——— تجربے والیوں نے تو یہ بات پہلے بیٹے کے نام رکھائی کے موقع پر ہی کہہ دی تھی ——— جب بہو پاشا گود میں بیٹے کو لے کر بیٹھیں تو بچّے کے سرہانے کی طرف بڑی بیچ بیٹھی ہوئی تھیں ——— دھیرے سے بولیں :

"اَئی چھوٹے نواب کے سر میں تو ایک ہی بھنورا ہے ـــــ" انہوں نے ننھے سے بالوں بھرے سر میں انگلی گھماتے ہوتے دوسرا بھنورا ڈھونڈنے کی ناکام کوشش کرتے ہوتے کہا: "ایک بھنورا ہے تو اگلی بیٹی ہوتی ہے لئے ـــــ"

دوسری تائی بی تھیں جو وثوق سے بولیں: "ہو برابر بات ہے ـــــ ہم زندگی بھر سے دیکھتے آئیں ـــــ"

تیسری چچی بیگم تھیں جو مسکرا کر بولیں: "کتنی مبارک بات ہے نا ـــــ بیٹی آئی تو آنگن میں رسیوں پر رنگین کپڑے سوکھتے ہوئے دیکھتے ـــــ گھر میں بہار آجاتی ـــــ"

دُلہن پاشا کے موہنہ پر بھی بہار سی آگئی ـــــ پہلے بیٹے کے بعد بیٹی ہوجاتے تو عورت پن کے سارے ارمان پورے ہوجاتے ہیں ـــــ بعد میں خدا جو جی چاہے دیتا رہے ـــــ سو خدا نے یہ چاہا کہ بیٹیاں دیتا ہے ـــــ

دادی ماں نے ارمانوں سے پوتے کا نام سطوت رکھا ـــــ بولیں: "وہ اپنے خود بھی سربلند ہو۔ ہو زا اللہ کرو باپ دادا کا نام بھی اونچا کرو ـــــ سو سرفراز بھی اچھا نام ہے ہو رساتھ میں سرفراز کے بعد اس کے دادا حضرت کا نام لگا دیو ـــــ" مارے شرم کے انہوں نے سطوت نام نہیں لیا کہ شریف بیبیاں مرتی مرجاتی ہیں ـــــ لیکن اپنی زبان سے کبھی شوہر کا نام نہیں لیا کرتیں ـــــ لیکن دادی کے کہنے پر نام سرفراز ہی رکھا گیا ـــــ اور شاید یہ سرفرازی اسی ایک دم کے نصیب میں خدا نے دی کہ نسل چلے تو اسی سے چراغ جلے تو اسی سے اور بڑھاپے میں موہنہ میں پانی دیوا نے ـــــ

نواب سرفراز پاؤں پاؤں چلے بھی نہیں ہوتے کہ دُلہن پاشا پھر اُبکائیوں اور الٹیوں پر پڑ گئیں۔ دودھ بڑھانا پڑا۔ ننھے منے سے نواب کی گھٹی میں لڑکیاں پڑ گئیں ماں تو پہلے بھی نواب کی بیٹی، نواب کی بہو، نواب بیگم تھیں ـــــ پان کا ڑیٹ بھی کبھی توڑ کر نہ دیا ـــــ بچہ تو کیا سنبھالتیں کہ ایک ایک کام پر دس دس خواصیں تھیں ـــــ ہاں دودھ پلانے

بھر کی ضرور بنادا نہ تھیں ـــــ لیکن اب جو دودھ چھٹا تو ماں کا ساتھ بھی چھٹا اور بجائے بڑی عورتوں اور خواصوں کے ننھی منی چھوکریوں کی گودوں میں پلنے لگے ـــــ اس کی گود سے اس کی گود میں ـــــ اس کی گود سے اُس کی گود میں ـــــ

نواب سرفراز چھوٹے پاشا کے نام سے نانوٹے گئے ـــــ ہر چند کہ دادی حضور بولتیں ـــــ "آگے اُجاڑ مارو آئے وہ سب سے بڑا ہے۔ اس کو بڑے پاشا بولا ـــــ" لیکن کوئی کان نہ دیتا اور وہ چھوٹے پاشا ہی باجے ـــــ چھوٹے پاشا بھائی بن گئے ـــــ ننھی سی بہن ماں کی گود میں آئیں اور ماں کی خوشیاں مکمل ہو گئیں ـــــ چھوٹے پاشا کا لاڈ دلارا بھی بھی کرتیں ـــــ پہلی اولاد ـــــ پہلی محبت، اور وہ بھی بیٹا۔ کیسے بھلا دیتیں ـــــ لیکن ننھی منی گڑیا گود میں آئی تو جیسے ساری توجہ کھینچ لی ـــــ اور ویسے بھی نیا پیدا ہونے والا بچہ، ماں کو اپنے لئے وقف کرا لیتا ہے۔

محل میں عورتوں اور لڑکیوں کا ہی راج تھا، لڑکے پالے تھے لیکن گنتی کے ـــــ محل میں زنانے حصے میں مرد نوکروں کا آنا جانا کم ہی کم تھا ـــــ کام پڑتا تو کچھ دیر کو اندر آتے پھر باہر کے باہر ـــــ ہاں تو کرانیوں کی دھکم پیل تھی ـــــ چھوٹے پاشا کے آگے یہاں وہاں چھوکریاں ہی چھوکریاں ـــــ ننھے سے مونہہ سے پہلے پہل بات کرنی سیکھی تو بالکل چھوکریوں کے انداز میں بچہ ماحول ہی سے تو سیکھتا ہے ـــــ ان کے کانوں میں آتیوں۔ جاتیوں۔ کھاتیوں۔ مرتیوں۔ آتی۔ جاتی۔ سوتی ایسے ہی الفاظ پڑتے رہتے تھے ـــــ اور کم بخت ماری چھوکریاں مارے محبت کے خود بھی انہیں بجائے ایک نرمکے کے، لڑکی کی طرح مخاطب کرتی تھیں ـــــ حشمت گود میں اٹھا کر پوچھتی :

"میرے کلیجے کی ٹکڑی ہے نا گے یہ ـــــ دودھ پیتی ـــــ ؟"

دمنتی ادھر سے بولتی : "تو باغ میں گھومنے چلتی ـــــ ؟"

گلشن لپٹا لپٹا کے پیار کرتی اور پوچھتی : "تو کھانا کھاتی ـــــ ؟" سُلاتے سے

پہلے خوب محبت کے دورے ان چھپرکریوں کو پڑتے ——

"سو جانا وہ تو —— سو جاتی —— ؟ پھر کب اٹھیں گی تو —— چل سو جا —— پھر صبح اُٹھیں گی تو اپن کھیلیں گے تو کھیلیں گی نا میرے ساتھ"

ننھے ننھے ہونٹوں اور زبان سے پہلے پہل بول نکلے تو دادی —— ماں —— باپ خوشی سے بے حال ہو گئے —— ہنسی رکتی ا رکتی نہ تھی —— چھوٹے پاشا کو کھانے کا کہا جاتا تو بولے۔

"نئیں کھاتی میں ——"

"دودھ پی لیو چھوٹے پاشا ——"

تو غصّے سے بولتے —— "نئیں پیتی میں ——"

پھر یکے بعد دیگرے بہنیں دنیا میں آنی شروع ہوئیں —— پانچ بہنوں نے آنگن ایسا رنگین ہوا کہ سوائے ہرے، نیلے، پیلے، لال، اودے کپڑوں کے آنچلوں اور دوپٹوں پر کچھ دکھائی ہی نہ دینے لگا —— بہنیں تو تھیں ہی لڑکیوں کی جون میں —— وہ اپنے طور پر بات کرتیں تو بھائی اور اور بھی وہی انداز سیکھتے جاتے۔

پہلے بیٹے تھے —— پہلوٹھی کی اولاد ویسے بھی نیم چڑھی ہوتی ہے اور یہ تو پانچ بہنوں کے اکلوتے بھائی تھے —— کسی بات پہ روکا ٹوکا نہ گیا —— جی بھر کے لاڈ میں سڑائے گئے —— اچھے خاصے بڑے بھی ہو گئے لیکن بات چیت میں وہی زنانہ پن —— کبھی کبھار باپ اُلجھ کر بولتے بھی ——

"بیٹے آپ کیا عورت بچی کے ویسا آتیوں جاتیوں کرلیتے ——" حالانکہ وہ بیٹے کے ہر انداز پر فدا تھے —— تو دادی یا ماں بیچ میں پڑ کر فوراً بات کاٹ دیتیں۔

"ابھی عمر ہی کیا ہے —— وقت پر سوب باتاں سیکھ لیں گا ——" لیکن وہ وقت کبھی نہ آیا —— مولوی صاحب پڑھانے کے لئے مقرر کئے گئے وہ بول بتا کر ہار

گئے —— یہ مان کر نہ دیتے —— وہ چڑ چڑ جاتے ——

"نواب صاحب آپ بچے ہیں —— مرد بچے —— آپ عورتوں کے ویسی بات نہ کرو ——" وہاں اتنی عقل اور تمیز ہی باقی نہ رہی تھی کہ عورت اور مرد کا فرق سمجھ سکتے —— ذرا بڑے ہوتے گئے اور مدرسہ "تحتانیہ" میں داخل کئے گئے تو خود کا بھی چھٹ پن تھا اور دوسرے بچوں کا بھی —— معاملہ چل گیا —— وہاں سے بڑھ کر "وسطانیہ" میں گئے تو ساتھ کے لڑکوں نے ذرا ہنسی اُڑانی شروع کی، لیکن روپیہ اور امارت کے زور پر معاملہ دبتا گیا —— لیکن اصل مصیبت اس وقت آئی جب سب نچلے درجوں سے نپٹ کر "مدرسہ فوقانیہ" میں داخل کئے گئے —— یہاں ایک دُنیا ہی دوسری تھی —— غریب، امیر بلکہ زیادہ تر شرفا کے لڑکے اسکول میں پڑھتے تھے —— یہاں کون ان کی امارت سے دبنے چلا تھا —— اچھی خاصی عمر ہو گئی تھی، روز روتے ہوئے گھر کو آتے —— ساتھ میں خادم جاتا تھا، کھانے کی چھٹی کے وقت تو وہ لڑکوں کو ڈھیلے، پتھر کھینچ کھینچ کر مارتا رہتا، لیکن کلاس کے اندر لڑکے ستانے سے باز نہ آتے۔ مولوی صاحبان، جناب صاحبان (اساتذہ) سوال کرتے۔

"سرفراز —— تم کو کیا معلوم ہے کی دُنیا گول ہے؟"

یہ بڑی سادگی سے جواب دیتے: "میں آج سبق یاد نہیں کری ——" جناب کے روکنے منع کرنے پر بھی کلاس روم میں ہنسی کا طوفان اُٹھ کھڑا ہوتا —— کلاس ختم ہوتے ہی لڑکے شروع ہو جاتے۔

"اے اے تو کل اسکول آئیں گی کی نہیں ——"

"تو گھر کو شکرام میں جارئی کی پیدل جارئی ——"

"آج یاد نہیں کری تھی کل سبق یاد کرکے آئیں گی کی نہیں ——"

ہوتے ہوتے یہ ہوا کہ سرفراز نواب گھر کے، محل کے ہی ہو کر رہ گئے بس ——

مدرسے جانا چھوڑ دیا ——— محل ہی میں مولوی صاحبان مقرر کر دیئے گئے ——— حساب، جغرافیہ، تاریخ، اُردو انگریزی ——— سب کے الگ الگ مولوی صاحبان ——— قرآن شریف پڑھانے والے مولوی صاحب تو خیر محل ہی سے متصل مسجد میں ہمیشہ سے رہتے چلے آتے تھے جو محل کے اور بھی سبھی بچّوں کو دینی تعلیم دیا کرتے تھے۔

نواب شوکت کو پہلے پہل جب پتہ چلا کہ صاحبزادے مدرسہ چھوڑ چھاڑ محل میں ہی پڑھائی حاصل کر رہے ہیں تو وہ بہت بگڑے ——— ماں سے اُلجھے ——— بیوی پر چڑھے لیکن وہاں کسی نے انھیں کچھ گنا ہی نہیں ——— دادی حضور نے تو صاف کہہ دیا:

"اُجاڑ ہم کو کوئی نوکری کرانے کی ہے بچے کو ——— اِتی سر کی جان پر ایسی ہپک میرے کو نکو ——— مرد بچہ پڑھا سو پڑھا، نئیں پڑھا، سو نئیں پڑھا ——— "

دُلہن پاشا دلیں: "باپ سے تو زیادہ ایچ پڑھ گیا ہے ——— اب کتا پڑھانا ہور"

شوکت نواب، ان کی بات پر بجائے غصّہ ہونے یا پڑنے کے مُسکرا دیتے۔

یہ حقیقت بھی تھی کہ سرفراز ان سے زیادہ تعلیم حاصل کر چکے تھے ——— صرف ایک انداز گفتگو نسوانی تھا ——— ویسے اچھے خاصے ہاتھ پاؤں نکالے تھے بیٹے نے ——— وہ تو مارے ڈر کے کہ کہیں نظر نہ لگ جائے بیٹے کو، نگاہ بھر کر دیکھتے بھی نہ تھے ——— بڑے سے ہال میں جہاں خاندانی پرانی پرانی تصویریں لگی ہوئی تھیں، ان کی اپنی نو عمری کی جو تصاویر تھیں، عین مین سرفراز انھی کی شبیہ تھے ——— وہی قد و قامت ——— وہی چہرہ مہرہ ——— وہی بال ——— وہی ناک کان ——— دیکھنے والے بھی کہتے تھے: "بالکل شوکت نواب کا لڑکپن دیکھ لو ——— "

مائیں لڑکوں کی ——— بیٹوں کی دیوانی ہوتی ہیں اور باپ بیٹیوں پر جان دیتے ہیں۔ یہ ساری دُنیا میں ہوتا ہے ——— لیکن یہاں حال تو خلاف تھیں ہی ——— خود نواب شوکت بھی بیٹے کے دیوانے تھے ——— حالانکہ وہ اپنے کسی انداز سے ظاہر نہیں ہونے دیتے

تھے۔ لیکن ان کی ہر سانس میں وہی وہ سمائے ہوئے تھے ـــــ پہلے پہل تو انہیں بس ایسی ہی محبت تھی جیسے ایک باپ کو اپنی کسی بھی اولاد سے ہونی چاہیئے ـــــ لیکن یکے بعد دیگرے جب بیٹیوں نے گھر ہی دیکھ لیا تو آپی آپ بیٹے سے ان کی محبت بڑھتی چلی گئی ـــ پانچ بیٹیوں کے بعد اولاد کی پیدائش کا سلسلہ خدا کی طرف سے خود ہی بند ہو گیا اور نواب سرفراز اکلوتے ولی عہد ثابت ہو گئے تو نواب شوکت بس انہیں دیکھ دیکھ کر جینے لگے۔

مارے محبت کے کسی بات پر روک ٹوک نہ کی ـــــ نہ اچھے پر، نہ بُرے پر ـــــ ان کے زنانی نسوانی انداز گفتگو پر بھی نہیں ـــــ اسکول چھوڑ دیا اس پر بھی کچھ دل سے خفا نہ ہوئے ـــــ اندر والا دل ہی اُن کی کسی بات پر غصہ نہیں کرنے دیتا تھا ـــــ لیکن اب جیسے جیسے سرفراز نواب بڑے ہوتے جا رہے تھے ـــــ باپ کی بے پناہ محبت میں ایک فکر بھی شامل ہوتی جا رہی تھی ـــــ پہلے تو انہیں سرفراز کا انداز گفتگو ہی نسوانی لگتا تھا، لیکن اِدھر کچھ دنوں سے وہ یہ محسوس کر رہے تھے کہ ان کے سبھی انداز نسوانی ہیں ـــــ بات کرتے میں لڑکیوں کی طرح نیچے دیکھنا ـــــ کسی بھی بات پر شرما جانا ـــــ مردانے میں مرد مہمانوں کی موجودگی میں شرمانا جھجکنا ـــــ اس کے برخلاف چھوکریوں لڑکیوں اور کام کرنے والی خواصوں میں بہت اطمینان اور دل جمعی سے اُٹھنا بیٹھنا ـــــ مگر بے تکلفی ان سے بھی نہیں ـــــ

"کہیں ـــــ کہیں ـــــ" وہ ڈر کر سوچتے اور اپنے خیال کو خود ہی جھٹکتے ـــ "کہیں صاحب زادے نام کے تو مرد نہیں ہیں ـــــ؟ اگر خدانخواستہ ایسا ہوا تو پھر ہماری زندگی میں کیا رہ جائیں گا ـــــ نہیں ہونی نہیں تو ایسا ظلم نہیں کر سکتا ـــــ"

اور اس دن اپنی خواب گاہ میں لیٹے لیٹے انہوں نے دوسرے کمرے سے آنے والی آوازوں کو سُنا تو وہ دہل کر رہ گئے ـــــ غالباً اُلفت اور چندا بی باتیں کر رہی تھیں ـــــ اُلفت محل کی سب سے حسین اور طرح دار چھوکری تھی ـــــ نواب شوکت عمر کے اس درجے

تو گزر گئے تھے جب نظر ادھر اُدھر بھٹکتی ہے لیکن الفت کو دیکھ کر وہ سوچتے تھے کہ وہ دور تو بے شک گزر گیا لیکن الفت تو ابھی وہیں کھڑی ہے —— اور وہ کہیں یہ موقعہ نہ آنے دیتے تھے کہ الفت کے قریب سے بھی گزر جائیں گے —— قیامت کا کسی کو علم نہیں۔ کبھی بھی آسکتی ہے ——

چنو بی بھی الفت ہی کی عمر کی تھی —— جوان بھی تھی، لیکن بس چنو بی تھیں —— یہ عجیب بات ہے پاکیزہ نفس سے پاکیزہ عورت بھی، کتنے ہی نیک خیالات رکھنے والی عورت بھی دل کے کسی نہ کسی گوشے میں خود نمائی اور مرد کو اپنی طرف مائل کرنے والے جذبے کی غلام اور خواہش مند ضرور ہوتی ہے —— مرد کو اپنی طرف متوجہ کر کے اس کو اپنی طرف دیکھتا پا کے عورت کی کسی ایسی حس کو ضرور تسکین ملتی ہے جو اُسے اپنی ہی نظروں میں مغرور بنا دیتی ہے —— شاید آدم بعد میں پیدا ہوتے ہوتے تو عورت میں یہ جذبہ نہ ہوتا، لیکن جب وہ آدم کی پسلی سے باہر آئی اور خوابیدہ آنکھوں کو ملتے ہوئے ایک شخص کو دیکھا تو دُنیا میں پہلی بار پہلی عورت، حوا کے دل میں خواہش جاگی ہو گی کہ یہ شخص جو بھی ہے مجھے دیکھے۔ حالانکہ اس وقت آئینہ وجود میں نہیں آیا ہو گا کہ حوا اپنا جان لیوا حُسن دیکھ بھی سکتی —— لیکن آدم نے جن گرسنہ نگاہوں سے اسے دیکھا ہو گا، روزِ ازل سے وہ پیاس، دیکھنے کی پیاس، تشنگی مرد کا مقدر بنی اور دیکھے جانے کی پیاس، عورت اپنے آپ کو دکھوانے کی پیاس عورت کی انا بنی —— اور اس وقت وہی عورت، وہی حوا اپنی اسی انا کے ٹوٹ جانے پر ناگن سی پھن پھنا رہی تھی۔

"پھر کیا ہوا؟" چنو بی پوچھ رہی تھی "وہ تو بڑی بے فکری سے بول دیئے۔ میں یہاں پڑھتی بیٹھی ہوں، اب اٹھ کر نہیں جاتی —— تو یہیں کپڑے بدل ڈال ——"

"پھر کیا ہوا —— ؟"

"میرے سامنے پلنگ پر کیا کھڑے ہو کے عا غال سکتے کر میں چھپ کے بدلتی —— میں ایک

کر کے سارے کپڑے اُتار دی ـــــ بنس مت تمام خور ـــــ صرف اُوپر کے کپڑے ۔"

"اگے میری ماں ـــــ" چنوبی کی سخت دہشت زدہ آواز آئی ۔

"مگر تو یہ بھی تو سن اُنوں بے حد مزے میں پڑتے رہے ـــــ ایک دو بار میری طرف دیکھے بھی ـــــ ہور مزے کی بات سنی، مزے سے کیا بولے : "تم چھوکریاں چھاتی پے یہ کپڑا کیوں باندھتیں ـــــ" ایسا غصہ آیا، جی میں آیا فوراً کپڑا اُٹھا کے دکھا دیوں ہور پھر پوچھوں ـــــ اب بولو ـــــ آیا سمجھ میں کی کپڑا کیوں باندھتیں ـــــ؟" چنوبی کی ہنسی رکتی آواز آئی ـــــ

"سچی ایک آدھ دن دکھا ہی دے مزہ آجائیں گا ـــــ" الفت بیگن تھپنا کر بولی "اگے وہ ـــــ؟ وہ تو ایسا بیجڑا ہے۔ دکھا بھی دیوں تو سمجھیں گا ـــــ کاہے کو دکھائی کی؟ اور اس کو جسم کا ایک حصہ ایچ سمجھیں گا ـــــ"

وہ دونوں تو قہقہے لگا رہی تھیں اور نواب شوکت کا دل ڈوبا جا رہا تھا ۔

"ہائے نوری مجھ بدنصیب کا ایک ایچ بیٹا ہے ـــــ خاندان کا نام چلانے والا ـــــ مرے تو مونہہ میں پانی ڈالنے والا ـــــ مالک میرے کو یہ رسوائی اور بدنصیبی مت بتانا ـــــ لیکن انہوں نے طے کر لیا تھا کہ کبھی نہ کبھی پہچان کے حکیم ڈاکٹر کو اپنے بچے کو ضرور بتائیں گے ـــــ پہلے انہوں نے یارِ غار ذاکر خاں سے مشورہ کر لینا بہتر سمجھا ـــــ ذاکر خاں کوئی تین چار سال سے ہی ان کے دوست چلے آرہے تھے لیکن ان کی دوستی میں کھوٹ نہیں تھا ایسے وفادار یار تھے کہ وقت پڑنے پر جان بھی بے دریغ نثار کر دیتے ـــــ نہ نواب شوکت کے پیسے دولت سے غرض تھی نہ اُن کی جاہ و حشمت سے ـــــ کبھی ہاں میں ہاں تک نہ ملاتے ـــــ دو ٹوک بات کرتے، اگر کوئی غلط کام کرتے دیکھتے تو بلا تامل اپنا مشورہ پیش کر دیتے ـــــ نواب شوکت نے بارہا ان کو آزمایا تھا، حالانکہ ان کی دوستی ابھی پرانے پن کے زمرے میں بھی نہیں آتی تھی اور کتنی چھوٹی سی بات پر یہ دوستی استحکام

ہوئی تھی ـــــ ایک دن نواب شوکت بگھی پہ سوار کہیں جا رہے تھے۔ راستے میں کسی نے پٹاخہ چھوڑا اور گھوڑا بدک گیا ـــــ ایسا بے قابو ہوا کہ بگھی اُلٹنے کی نوبت آگئی ـــــ دوسرا گھوڑا بگھی کو اپنی طرف کھینچے، بدکا سو گھوڑا اپنی طرف کھینچے ـــــ کوچوان حیران ـــــ بگھی کی گتیاں بن گئیں ـــــ نہ آگے بڑھے، نہ پیچھے ہٹے، دونوں گھوڑے اپنی اپنی طبع آزمائی میں مصروف ـــــ اسی اچھل پتخ میں کوچوان تو بیر کی طرح پٹ سے نیچے جا گرا اور گھوڑوں نے جب دیکھا کہ کوئی روک ٹوک کرنے والا نہیں تو ایسے بے قابو ہوئے کہ نواب شوکت اب گرے کہ تب گرے ـــــ ایسے میں جانے کہاں سے ذاکر خاں نمودار ہوئے ـــــ چھلانگ مار کر کوچوان کی گدی پر چڑھے اور بے قابو گھوڑوں کو ایسی پھرتی اور مردانگی سے رام کیا کہ کہاں تو بگھی بھاڑ میں پڑے چنے کی طرح پھُدک رہی تھی یا ایسی نرمی سے سبج سبج چلنے لگی، مانو کہاروں کے کندھوں پہ سوار دلہن کی ڈولی چلی جاتی ہے۔

محل پہنچ کر نواب صاحب نے جب تھالی بھر روپے اور پانچ اشرفیاں نذر میں گزاریں تو ذاکر خاں نے وہی تھالی اٹھا کر نواب صاحب کے سر پر سے واری اور پاس کھڑے خادم کے حوالے کر کے اطمینان سے بولے :

" نواب صاحب کی جان کا صدقہ ـــــ غریبوں میں بانٹ دو " نواب صاحب دنگ رہ گئے ـــــ مجھے خاندانی رئیس ہوں گے، پوچھا :

" خبر کرتے کیا ہیں آپ ـــــ ؟ "

لاپرواہی سے بولے : " حضور کے ہی غلام ہیں سارے ـــــ ہم کیا میری اوقات کیا ـــــ " پھر مسکرا کر کہنے لگے : " ویسے میں بچوں کو پڑھاتا ہوں ـــــ مدرس ہوں ـــــ "

اس کے بعد تو نواب صاحب ذاکر خاں کے ایسے گرویدہ ہوئے کہ ہزاروں کے لین دین اُنھی کے ہاتھوں انجام پانے لگے ـــــ کیا مجال جو انہوں نے ایک دھیلہ بھی

اِدھر سے اُدھر کیا ہو ـــــ نواب صاحب کبھی شکایت کرتے :

"بھئی ذاکر خاں تمہاری بس ایک ایچ عادت بُری ہے ـــــ کبھی ہمیں خوش ہونے کا موقع نہیں دیتے ـــــ" تو وہ ہنس کر بولتے ـــــ

"حضور جب بھی ضرورت پڑے گی آپ ہی کے پاس تو آؤں گا ـــــ لیکن بات دراصل یہ ہے کہ آپ سے بڑا جو در ہے نا ـــــ سارے مطالبات وہیں سے پورے ہو جاتے ہیں تو کسی اور در پہ جانے کا سوال ہی نہیں اُٹھتا ـــــ" اور وہ آسمان کی طرف نگاہیں اُٹھا کر تشکر سے چہرے پہ دونوں ہاتھ پھیر لیتے ـــــ ہوتے ہوتے دوستی اتنی بڑھی کہ محل کے اور سارے کاموں میں بھی ذاکر خاں ہی ذاکر خاں بانٹنے لگے ـــــ لوگوں کی نظروں میں کھٹکتے بھی ہوں گے ہی ـــــ لیکن ہیاؤ ایسا تھا کہ کسی کو مونہہ مارنے کی مجال نہ ہوئی ـــــ گھیر دار شلوار ـــــ اسی کپڑے کی قمیص ـــــ واسکٹ ـــــ اس پر کلغی دار صافہ ـــــ آباؤ اجداد رہے ہوں گے کبھی پشاور میں ـــــ اب تو مدتوں سے حیدرآباد دکن کے ہو کر رہ گئے تھے ـــــ صاف اُردو بولتے تھے ـــــ گورے خوب صورت ایسے تھے کہ نواب شوکت کا سا لباس اگر پہنا کرتے تو دونوں بھائی بھائی سمجھتے ـــــ لباس پہناوے کا کیا ہے، ملیں نہ ملیں دل ملنا چاہیئے، سو ملا ہوا تھا ـــــ ہر بار کی طرح اس بار بھی ذاکر خاں یاد آئے ـــــ

"آپ کیوں فکر کرتے ہیں حضور ـــــ صاحب زادے کو کسی ڈاکٹر کو بتا دیتے ہیں ـــــ"

نواب صاحب پریشانی سے بولے : "ذاکر خاں بات یہ ہے کی لڑکی ذات کی اگر بدنامی ہو جائے تو بُرا نہیں جُڑتا ـــــ مگر مرد ذات کی بدنامی ہو جائے تو لڑکیاں تو بہت مل جاتے ـــــ سر بلندی نہیں ملتی ـــــ اور آپ جانو مرد سر نیچا کر کے جیا تو کیا جیا ـــــ"

وہ تھوڑی دیر پریشانی سے سر جھکائے رہے پھر بولے: "ابھی گھر کی بات گھر میں ہے ـــــ چار لوگوں میں پھیل گئی تو مرد بچہ ہے شرم سے خودکشی نہ کر لے ـــــ"

"وہ خودکشی نہیں کر سکتے ـــــ"

"آپ یہ بات کیسے کہہ سکتے ہیں ـــــ؟ ندامت اور شرم ایک مرد کو کچھ بھی کرنے پر مجبور کر سکتی ہے ـــــ"

"اس لئے نہیں کر سکتے کہ ان میں خود ابھی اپنی مردانگی کا احساس ہی نہیں ہے۔ چلیے آپ کے خاندانی حکیم صاحب سے بات پھیل جانے کا خطرہ ہے تو کسی انگریزی پڑھے لکھے ڈاکٹر کو دکھا دیتے ہیں ـــــ"

نواب صاحب ذرا مطمئن ہو کر بولے: "آپ کی نظر میں کوئی ڈاکٹر ایسا ہے؟"

"ہے ـــــ تبھی تو کہتا ہوں ـــــ"

ڈاکٹر فرحان لندن کے ڈگری یافتہ ڈاکٹر تھے اور ماہر نفسیات بھی ـــــ کمرے میں سر جھکائے سرفراز نواب کو بیٹھا دیکھا تو مونہہ سے کچھ نہ بولے ـــــ بس دیکھتے رہے ـــــ اچانک سرفراز نے ماحول سے بوکھلا کر باپ کی طرف دیکھا اور بولے:

"اب میں اندر جاتیوں ـــــ" نواب شوکت کے چہرے پر بیک وقت ندامت اور غم کی چھاپ ابھر آئی اور انہوں نے بڑی تکلیف سے ڈاکٹر صاحب کی طرف دیکھا جو بڑی خوش خلقی سے سرفراز نواب سے کہہ رہے تھے ـــــ

"بیٹے آپ جا سکتے ہیں ـــــ لیکن آپ مرد ہیں ماشاءاللہ اتنے اونچے پورے

بھی ــــ آپ کو کہنا چاہیئے ــــ میں اندر جاتا ہوں ــــ"

سرفراز نے ذرا حیرت سے اُنہیں دیکھا اور جلدی سے اندر کی طرف قدم بڑھا دیئے ــــ اُن کی چال کو ڈاکٹر صاحب نے غور سے دیکھا ــــ بالکل مردانہ چال تھی ــــ وہ ذرا مطمئن انداز میں نواب شوکت سے مخاطب ہوئے۔

"آپ کے کتنے لڑکے ہیں ــــ؟"

"جی ــــ بس یہی ایک ــــ" وہ ذرا دُکھ سے بولے۔ "باقی سب لڑکیاں ہوئے ــــ"

"کتنی لڑکیاں ہیں ــــ؟"

"جی پانچ ــــ"

"محل میں اور کون کون ہیں ــــ"

"جی اُمی حضور ــــ بیگم صاحبہ ہیں ــــ پھر رشتے کے بہناں ــــ سالیاں ــــ بچیاں اور بھی عورتاں ہی عورتاں ــــ"

"صاحبزادے کو بچپن سے اب تک کس نے سنبھالا ــــ؟"

"تین چار لڑکیاں اور آیا ماں نے اور ایک دو خواصاں بھی تھے ــــ"

"صاحبزادے جوں جوں بڑے ہوتے گئے اُن کے دائرۂ احباب میں لڑکے بھی شامل ہوتے گئے ــــ یا لڑکیاں ہی آس پاس رہیں ــــ؟"

"محل میں پردے کی سخت پابندی ہونے سے زنانے میں مرد نوکراں، حتیٰ کی چھوٹے چھوکرے بھی نہیں جا سکتے ــــ مطلب یہ کی لڑکیاں چھوکریاں ہی چھوٹے نواب کو اب تک سنبھالے ــــ"

"اب تک ــــ؟" ڈاکٹر صاحب نے حیرت سے پُوچھا۔

"اب تک سے آپ کی کیا مراد ہے ــــ عُمر کیا ہوگی صاحبزادے کی ــــ؟

مجھے تو ستر، اٹھارہ سال سے کسی طور کم نہیں لگتے ـــــ تو کیا اتنی عمر کے لوگوں کو اب تک سنبھالنا پڑتا ہے ـــــ ؟" اُن کے لہجے کی خفگی نواب شوکت سے پوشیدہ نہ رہ سکی۔

"جی آپ برابر سوچے ـــــ الوں آتی برساتوں میں پورے اٹھارہ برس کے ہو جائیں گے ـــــ" نواب صاحب سر جُھکا کر بولے۔

"وہ تو آپ نہ بھی بتاتے تو ظاہر ہے ـــــ باقاعدہ مونچھیں نکل آئی ہیں ـ گلوں اور جبڑوں پر رُواں پھوٹ چکا ہے ـــــ ماشاء اللہ قد و قامت آپ کے برابر ہوا ہی چاہتا ہے ـــــ وہ کچھ رُک کر پھر دھیرے دھیرے بولنے لگے ـــــ

"یہ دراصل میڈیکل کیس ہے ہی نہیں ـــــ یہ صرف سائیکولوجی کی بات ہے ـــــ آپ سے تھوڑے ہی سوالات کر کے مجھے اچھی طرح اندازہ ہو گیا ـــــ ایک لڑکا جو اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا ہے ـــــ پانچ بیٹیوں کے ہونے سے اور بھی زیادہ لاڈلا بن گیا ہے ـــــ اسے کسی بات پر روک ٹوک نہیں کی جاتی کیوں کہ اکلوتا ہے ـــــ لاڈلا ہے ـــــ محل میں گوشے پردے کی وجہ سے اُس کا سارا وقت، ہر ہر لمحہ صرف لڑکیوں اور عورتوں میں گزرا ـــــ اُس کی بات چیت تک میں زنانہ چھاپ لگ گئی ـــــ شرم وحیا جو عورتوں کا فطری جوہر ہے، وہ، اسے بھی ماحول نے تحفے میں دیا ـــــ" اچانک وہ رُکے ـــــ" معاف کیجیے گا بات کچھ آداب سے گری ہوتی ہے لیکن محض علاج کی خاطر پوچھنا پڑ رہا ہے کہ صاحبزادے لڑکیوں میں دلچسپی لیتے ہیں کچھ ـــــ"

نواب صاحب نے رُک رُک کر جھجک جھجک کر الکنت اور جیتو بی والا واقعہ مہذب انداز میں انہیں کہہ سنایا۔

"That [illegible] ـــــ" ڈاکٹر صاحب صوفے کے تکیے پر زور سے ہاتھ مار کر بولے "یہی اصل بات ہے۔ آپ نے بھلے سائیکولوجی نہ پڑھی ہو، عقل سے یہ سمجھ سکتے ہیں۔ ایک لڑکا ہمیشہ ہمیشہ لڑکیوں میں رہتے رہتے غیر محسوس طریقے پر خود کو بھی لڑکی سمجھنے لگتا ہے۔ حد

یہ کہ وہ عورت کے اُن پوشیدہ مقامات کو بھی جو مرد میں جنسی تحریک پیدا کرتے ہیں سادگی سے دیکھتا ہے اور بجائے ملتفت ہونے کے وہ اُن کے متعلق اس بے نیازی سے سوال جواب کرتا ہے جیسے وہ پوشیدہ مقامات نہ ہوں ـــــ آنکھ ـــــ ناک ـــــ کان ہوں ـــــ آپ نے سوچا ایسا کیوں ہوا ـــــ ؟ یہ اس لئے ہوا کہ لڑکیوں میں رہ رہ کر وہ یہ سوچتا ہے کہ ہم سبھی ایک جیسے ہیں۔ وہ سوچتا ہے جب میں لڑکیوں کے سامنے قمیص اُتار سکتا ہوں، تو لڑکیاں میرے سامنے کیوں نہیں اُتار سکتیں۔ اس لئے وہ اُس کمرے سے دوسرے کمرے میں جانے کی زحمت بھی گوارہ نہیں کرتا ـــــ ہمارے گھرانوں میں شادی بیاہ کے موقعوں پر آپ نے دیکھا ہوگا کہ اکثر خواتین مِل کر ایک ہی ساتھ ایک ہی کمرے میں ایک دوسرے کے سامنے کپڑے بدلنا شروع کر دیتی ہیں ـــــ معاف کیجئے وہ تھوڑا مُسکرا کر بولے "یہ منظر میں نے نہیں دیکھا ـــــ یہ ضرور دیکھا ہے کہ بڑی میں ساری خواتین ایک ہی کمرے میں جمع ہو کر، تیار ہو ہو کر نکل رہی ہیں ـــــ ویسے ماہرِ نفسیات ہونے کی بنا پر بیوی سے اس بات کی تصدیق ضرور کی ہے اور اُنہوں نے بھی بڑی بے نیازی سے فرمایا ہے کہ "اس سے کیا فرق پڑتا ہے ـــــ عورتوں عورتوں میں کاہے کی شرم ـــــ ؟" اب آپ پھر میرے اسی پوائنٹ پر آیئے اور بیوی کے اس ریمارک کو ذہن میں رکھئے کہ عورتوں عورتوں میں کاہے کی شرم ـــــ "مطلب یہ کہ آپ کے بیٹے نے بچپن سے آنکھ کھولتے ہی ایک مخصوص زنانہ ماحول اپنے اِرد گرد پایا ـــــ ساری ادائیں لڑکیوں والی سیکھیں ـــــ اوروں سے تو شرم روا رکھی، جیسا کہ آپ کی باتوں سے پہلے ظاہر ہوا کہ اسکول میں بہت شرمیلے ثابت ہوئے کہ آخر اسکول چھوڑ دیا ـــــ لیکن عورتوں سے شرم اُسی انداز میں روا رکھی جیسی کہ عورتیں، عورتوں سے شرماتی ہیں ـــــ معاف کیجئے گا یہاں میں لفظ بناوٹ استعمال کروں گا ـــــ سچ معنوں میں شرم ـــــ ایک عورت صرف مرد سے محسوس کرتی ہے ـــــ عورتوں سے عورتیں صرف دکھاوے کو شرماتی ہیں ـــــ بن بن کر اتراتی ہیں ـــــ آپ

تے بیٹے نے وہی ساری جھوٹی عورتوں والی ادائیں اپنا رکھی ہیں ـــــ اور یہ سب صرف ایک نامناسب ماحول اور بے جا محبت کی دین ہے ـــــ بہرحال" وہ سانس لے کر بولے:

"آپ کو مژدہ ہو کہ آپ کے صاحبزادے مکمل مرد ہیں ـــــ" نواب شوکت نے بڑی دیر سے رکی ہوئی سانس چھوڑ کر ذاکر خاں کو دیکھا ـــــ لیکن ڈاکٹر صاحب پھر سے مخاطب ہوئے ـــــ لیکن آپ کو ـــــ بہت کچھ سہنا ہوگا ـــــ"

"ہم آپ کا مطلب نہیں سمجھے ڈاکٹر صاحب ـــــ" نواب صاحب گھبرا کر بولے ڈاکٹر صاحب نرمی سے مسکراتے۔

"گھبرانے کی بات نہیں ہے نواب صاحب ـــــ میرا مطلب یہ ہے کہ اس زنانے پن کے جال سے نکالنے کے لئے صاحبزادے کا علاج کرنا ہوگا ـــــ"

"علاج ـــــ آپ کہیں تو ہم اشرفیوں کے ڈھیر لگا دیں ـــــ"

"جی نہیں ـــــ اشرفیوں کے ڈھیر ہر جگہ کام نہیں آتے ـــــ انہیں ـــــ میرا مطلب ہے نواب سرفراز کو کسی عورت کے ساتھ رکھنا پڑے گا ـــــ" نواب صاحب نے ڈاکٹر فرحان کو ایسی نظر سے دیکھا جیسے ان کے صحیح الدماغ ہونے میں شک ہو ـــــ ڈاکٹر صاحب ان کی نظروں کا انداز سمجھ کر مسکرا پڑے۔

"آپ یہی سوچ رہے ہیں نا کہ یہ ڈاکٹر خود پاگل لگتا ہے دوسروں کا علاج کیا کرے گا ـــــ آپ نے غلط نہیں سوچا۔ آپ کی جگہ کوئی بھی ہوتا تو یہی سوچ سکتا تھا کہ ایک لڑکا جو خص عورتوں کی تربیت، ساتھ اور سنگت کی وجہ اس حال کو پہنچا ہو اس کو پھر کسی عورت ہی کے ساتھ رکھنے کا نسخہ بتایا جائے ـــــ لیکن نواب صاحب نفسیات چیز ہی یہی ہے ـــــ اب ٹھیریئے میں آپ کو ذرا تفصیل سے بتاؤں ـــــ۔ اب تک جن عورتوں نے نواب سرفراز کو گھیرے رکھا ہے وہ سب ان کی خوشامد درآمد، آگے پیچھے گھومنے پھرنے میں لگی رہی ہیں ـــــ جیسا انہوں نے کہا ان لڑکیوں نے مان لیا ـــــ حد یہ کہ چونکہ اکلوتے ہیں

ماں، دادی، پھوپی، خالہ، سبھی نے ہربات مانی ہوگی —— اُن چھوکریوں نے تو ہر بات کو حکم سمجھ کر تعمیل کی ہوگی جو خاص ملازمائیں تھیں —— مجھے بتایئے نواب صاحب کیا کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ کوئی لڑکی ان سے کسی بات میں روٹھی ہو اور اُسے سرفراز نواب نے خود منایا ہو! مرد کی فطرت میں بھنورا بننا لکھا ہے —— اکلوتے ہونے نے آپ کے بیٹے کو دبا دیا —— مرد کی مردانگی اور انا جو کسی عورت کو منا کے، پھسلا کے، آنسو پونچھ کے ... ہے۔ وہ صاحبزادے کے وجود میں کہیں سوئی پڑی ہے اُسے کسی ایک —— صرف ایسی عورت کے حوالے کیجئے جو انہیں ٹھوکر سے اڑاتے —— جو اُن کا سراپنے سینے سے لگا کر فخر محسوس کرے —— جو پوری پوری آنکھیں کھول کر انہیں نہ دیکھے بلکہ انکھیوں سے دیکھ اور اپنی دید کے لئے ترسائے —— وہ رُکے —— رُک کر مسکرائے —— "آپ جانتے ہی ہیں کہ شرع میں چار شادیاں جائز ہیں —— ہنس کر بولے "آپ میرا مطلب سمجھے یا نہیں۔ مطلب یہ کہ صاحب زادے اتنے جوان مرد ہیں کہ ایک عورت ایک بیوی کافی نہیں ہوگی ——" نواب صاحب بھی خوش دلی سے مسکرا دیئے —— ڈاکٹر فرحان کی قابلیت کے وہ دل سے معترف ہو چکے تھے۔ واقعی نفسیات بھی کیا مضمون ہوگا —— ؟ کیا سوچ سوچ کے سوالات کئے اور کیا جوابات دیئے —— دل خوش ہوگیا اور مطمئن بھی —— لیکن ایسی عورت کہاں سے ملے —— محل میں ملنے سے تو رہی —— انہوں نے ذرا تردد سے ذاکر خاں کو دیکھا لیکن ڈاکٹر صاحب نے اُن کی آنکھوں کو پڑھ لیا۔

"بات ذرا بے ہودہ ہے نواب صاحب —— لیکن آپ کو اس کام کے لئے کسی طوائف کو رکھنا پڑے گا —— کسی گھریلو عورت یا لڑکی سے آپ اس کام کی توقع نہیں کر سکتے کہ وہ ناز و انداز سے ایسے مرد کو زیر کر سکے —— بلکہ میں نے غلط کہا ایسے مرد کو ابھار سکے۔

"حضور، اس بارے میں آپ فکر مند ہوں۔ یہ ایسی کوئی بڑی بات نہیں ——"

ڈاکٹر خاں اطمینان سے بولے۔
"اور ویسے بھی... ڈاکٹر صاحب ذرا رُک رُک کر بولے "آپ تو نواب ہیں اور نوابوں کے ہاں طوائفوں کا آنا جانا فیشن بھی سمجھا جاتا ہے اور ضرورت بھی ـــــ" پھر وہ اُٹھتے ہوئے بولے ـــــ "آپ ذرا بھی پریشان نہ ہوں ایسے کیس نظر سے گزرتے رہتے ہیں کہ لڑکیاں لڑکوں میں مل جل کر رہتے رہتے اپنے نسوانی انداز کھو بیٹھیں، یا لڑکے لڑکیوں میں رہتے رہتے زنانہ انداز اختیار کر گئے ـــــ لڑکیوں کے لئے تو یہ اتنا نقصان دہ نہیں ہے لیکن بعض صورتوں میں لڑکوں کے لئے خاصا (HARM FUL) ہارم فل ہو جاتا ہے لیکن صاحب نفسیات نے بھی انسان کی کیا کیا گرہیں کھولی ہیں ایک سائیکا ٹرسٹ تو بعض وقت خدا کے سے معجزے بپا کر دیتا ہے ـــــ" نواب صاحب کو کرتے کی جیب کی طرف ہاتھ بڑھاتا دیکھا انہوں نے اُن کا ہاتھ پکڑ لیا۔
"ارے نواب صاحب ابھی رہنے دیجئے ـــــ پہلے جوئیں نے کہا ہے اس کو آزما دیکھئے ـــــ جب تک مریض کو فائدہ نہ ہو جاتے میں فیس نہیں لیتا ـــــ فائدہ ہونے پر ہی بھر پور فیس لیتا ہوں اور اسی لئے اتنا امیر ہوں ـــــ" وہ خوش دلی سے ہنسے۔
"میں آتا رہوں گا ـــــ اپنے مریض کو صحت مند ہوتا دیکھنا ایک ڈاکٹر کی سب سے بڑی خوشی ہوتی ہے ـــــ اور ڈاکٹر صاحب ذرا اس سلسلے میں ثواب حقاً کی مدد کیجئے ـــــ کام گناہ آلود ہے، لیکن کراماً کاتبین اُسے ثواب کے کھاتے میں ڈالیں گے ـــــ"

توبہ ـــــ توبہ ـــــ توبہ ـــــ
پنچھی بزاق ـــــ حیدر آباد دکن کا بدنام محلہ ـــــ اُن دنوں بڑا نیک نام ہوتا تھا

تھا ـــــ شہر بھر میں ایک طوائف کا چرچا تھا ـــــ بڑے بڑے جس کے در پہ ماتھا ٹیکنا اپنی سعادت سمجھتے تھے اور اس کے رقص اور آواز کے جادو کے دیوانے تھے ـــــ

کمانیوں دار پکے مکانوں کا، سفیدی اور قلعی پھرے ہوئے شہ نشینوں کا جو سلسلہ یہاں سے وہاں تک پنجی بزاق میں پھیلا ہوا تھا، وہ بازارِ حسن کا بڑا معروف اور مصروف دربار تھا۔ پھول والوں کی سجی بنی دکانیں ـــــ تنبولیوں کے سجے سجائے پان ـــــ سونے، چاندی کے ورقوں میں تیار پان بیچنے کی دکانیں ـــــ مٹھائی والوں کی دکانیں ـــــ درگاہ جانے والی طوائفوں کی آسانی کے لئے عود بتیوں اور نقل دانے بیچنے والوں کی دکانیں، پھر نچلے طبقے کی چلتے گاہک کو روک کر خود موتہہ سے بلانے والی طوائفیں کہ جو گاہک کے ساتھ شب بسری سے قبل اس کے ہاتھ میں کھانے کی پوری ٹٹولتی ہوں۔ ایسی بھوک کی ماری طوائفوں کے توشے کے طور پر لے جانے والی تیل میں تلی جانے والی جلیبیوں، مرکل، تلی ہوئی بیسن کی کھٹی مرچوں اور بھجیوں کی دکانیں ـــــ

یہ پنجی بزاق تھا ـــــ یہاں کچھ ایسی بھی تھیں جو جسم کا کاروبار کرتی تھیں ـــــ ایسی بھی جو صرف ناچ گا کر گاہکوں کا دل بہلاتی تھیں، پھر پچھواڑے کے کمروں میں جا کر شب بسری کا اہتمام بھی کر دیتی تھیں ـــــ ایسی بھی جو کسی بھی رئیس نواب کو خوش آمدید بھی کہتی تھیں اور ایسی بھی جو کسی کے بلاوے پر محلوں، کوٹھیوں اور ڈیوڑھیوں پر بھی چلی جاتی تھیں ـــــ یہاں پیاسے کنوؤں تک آتے تھے اور کنوئیں تو نہ کبھی چل کر پیاسوں تک پہنچ جاتے تھے ـــــ لیکن کونے کا آخری مکان جو اپنی وضع قطع سے ہی کچھ الگ تھلگ سا لگتا تھا اس کی مالکن بھی کچھ ایسی ہی عام خواتین سے الگ تھلگ سی تھی۔

جسم بیچنا اس کے مذہب میں حرام تھا ـــــ گانے بجانے کا سلسلہ بھی دل پر نشت تھا ـــــ کبھی تو یہ ہوتا کہ محفل سجی بیٹھی ہے ـــــ لوگ منتظر ہیں کہ بی بی اب آئیں کہ تب آئیں ـــــ اندر سے سندیسہ آ گیا ـــــ

"آج ناچنے کو دِل نہیں کرتا ـــــ معافی چاہ رہی ہیں ـــــ" کبھی محفل میں پُرسوز آواز سے گاتی بیٹھی ہیں کہ ناچنے کا دِل ہو گیا ـــــ طبلے، سارنگی، دف، تاشے، ہارمونیم، ڈھولکیا، ایک ساتھ سارے ساز چیخنے لگے اور ناچ رہی ہیں ـــــ ناچ رہی ہیں ـــــ بے حال ہونے تک ناچیں گی ـــــ

دِل کی غلام تھیں، اسی لئے بڑے بڑے نوابوں، جاگیرداروں کے ہاں سے تیرتے آتے ـــــ توڑے بھر بھر کر اشرفیوں کے لالچ دِئے جاتے، لیکن نہ جاتیں پر نہ جاتیں۔ لوگ آپس میں بولتے ـــــ

"ایسی پاتر (طوائف) تو دیکھی نہ سُنی بابا ـــــ پیسے کے واسطے آیا تو بازار بساتی ـــــ ہور اِدے پیسے کر اِنّ ٹھکراتی ـــــ"

نواب شوکت مرحوم ناچ گانے بجانے کی محفلوں سے تائب ہو چکے تھے ـــــ تب ان معنوں میں نہیں کہ ناچ دیکھنا یا گانا سُننا یک لخت ختم کر دیا ہو ـــــ اپنے نواب دوستوں کے ہاں کی تقریبوں، شادی بیاہ، بسم اللہ، ختنے، سالگرہوں، عیدوں بقرعیدوں میں جاتے اور طوائفوں کا ناچ گانا ہوتا تو خوشی نہ صرف یہ کہ دیکھتے بلکہ جیسوں میں جو کچھ بھی ہوتا اور یہ بولے بتائے جیسی بات تو ہے نہیں کہ کیا کچھ نہ ہوتا ہوگا، جتنا کچھ بھی ہوتا سارا کا سارا دان کر کے آتے۔ البتہ تائب یوں ہو گئے تھے کہ اپنے محل میں طوائفوں کا بُلانا قطعی بند کر دیا تھا ـــــ

اس بند کرنے میں کسی کنجوسی کو کوئی دخل نہ تھا، بلکہ بات یہ تھی کہ جوان جوان تین بیٹیوں کے باپ تھے۔ وہ تو ابھی اتنی بڑی نہیں ہوتی تھیں، لیکن بیٹیوں کے باپ کو بہر حال دُنیا میں پھونک پھونک کر قدم اُٹھانا پڑتا ہے ـــــ بیٹے باپ کا سر بلند کرتے ہیں بیٹیاں سر جھکا کر چلنے پر مجبور کرتی ہیں ـــــ وہ شوکت محل کے کرتا دھرتا تھے، اُن کے

سر پہ کوئی بڑا بزرگ موجود تھا جو انہیں کسی بھی کام سے روکتا ـــــ وہ مالک و مختار سبھی کچھ تھے، جو چاہتے کرتے۔ کون منع کر سکتا تھا لیکن انہوں نے خود ہی اپنے اوپر کچھ قیود عائد کر دی تھیں اور اپنی خود ساختہ قید میں وہ بہت مطمئن تھے ـــــ ایک لحاظ یہ بھی آتا تھا کہ "اچھی خوش و خرّم مطمئن زندگی ہے ـــــ شریف محبت کرنے والی بیگم ہیں ـــــ بچے ہیں ـــــ اب خواہ مخواہ نوجوانی کے دنوں کے جیسے چونچلے کرو تو دل بھی خوش نہیں ہوتا اور پورے دنیا بھی نام رکھتی ـــــ وہ تو شادی سے پہلے، جب ذمہ داریاں نہیں تھیں تو چھوٹے چھاٹ تھے۔ تب بھی امی حضور کو پتہ چل گیا تھا کہ بار بار ایک پارٹنر حیا کے ہاں جاتے ہیں تو کتنا چڑتے تھے ـــــ آخر کو ابا بولے اتا سمجھائے کی ہم شادی ہی کر لیتے ـــــ اب جب اتنی اچھی زندگی ہے کی اس میں کوئی کھٹکا کوئی ڈبکا نہیں تو کاہے کو لوگاں کو بولنے کا موقع دینا ـــــ"

تو لوگوں کو بولنے کا موقع دینے سے بچنے کی خاطر وہ اپنے محل پہ تو ناچ رنگ ـــــ کی محفلیں ختم کروا چکے تھے لیکن دوستوں کے ہاں آتے جاتے وہ ذکر سنتے تھے کہ آج کل ایک گانے اور ناچنے والی نے حیدرآباد کو دیوانہ بنا رکھا ہے ـــــ جسے دیکھو یہی ذکر ـــــ

"کیا ناچتی ہے توبہ ـــــ!"

"کیا گاتی ہے توبہ ـــــ!"

ایک دن نواب شوکت نے ذرا بے کیف ہو کر پوچھا: "آخر کس کے یہ چرچے ہیں ـــــ"

وہ اُس دن نواب جمال الدین کی ڈیوڑھی میں مدعو تھے ـــــ انہیں ذرا حیرت سے دیکھ کر نواب جمال الدین بولے

"حضرت آپ ہوش میں ہیں یا نہیں ـــــ توبہ بول بول کے ساری خلقت جھوم رہی ہو اور آپ پھر بھی یہی پوچھتے کی کون ہے اُنے ـــــ"

"تو کیا اُس کا نام ایچ توبہ ہے ـــــ؟" شوکت نواب حیرت سے بولے ـــــ

"میں تو اپنی مادری زبان میں بول رہا ہوں آپ نہیں سمجھے تو میرا کیا حضور ــــ"
نواب جمال الدین ہنسنے لگے ــــ کیا صورت ہے کی واہ۔ ہور کچھ شناسا بھی معلوم ہوتی ۔"
"لیکن ہم اتنے جگہوں پر اتنے محفلوں میں گئے کبھی تو یہ کو نئیں دیکھے ــــ کیا پردہ
کرتی اُنے ــــ؟" نواب شوکت مسکرا کر بولے ــــ
"پردے گوشے میں رہتی تو ایچ اچھا رہتا تھا ــــ اب تو کیا معلوم اُس کا گانا
سن کر اُس کا ناچ دیکھ کر گھر آکو کتے مرداں اپنے اپنے بیویوں کو طلاق دے دیتے ہوئیں گے
ایسے ناز و انداز ہیں اس کے ــــ"
"مگر ہم تو کبھی اُس کو نئیں دیکھے ــــ"
"آپ اس واسطے نئیں دیکھے کی آپ کبھی اس کے گھر پہ نئیں گئے ــــ ہور وہ
خود تو ایسی اصول والی ہے کی کسی کے گھر چل کر نئیں جاتی ــــ بولتی ہے: "جس کو میرا
گانا سننے کا ہے میرا ناچ دیکھنے کا ہے وہ خود چل کر میرے پاس آتے، میں کیوں جاؤں۔"
آپ چلو نا کسی دن۔ کیا انداز ہیں۔ کیا اَدایاں ہیں ــــ ایک ایک نظر سو سو بجلیاں گراتی ــــ
ہور گاتے میں اس کے ہاتھاں کے، آنکھاں کے، بھنوؤں کے، ہونٹاں کے انداز ہور
اشارے کیا بولوں ــــ غالب کا ایک شعر گاتی :

شمع بجھتی ہے تو اُس میں سے دھواں اُٹھتا ہے
شعلۂ عشق سیہ پوش ہوا میرے بعد

حضت پہلے تو اُس نے چٹکی سے مَسَل کر خود شمع بجھا دی ــــ ہور اُس میں سے ــــ بتی میں
سے جو دھواں نکلا تو اِدھر خود ایک سیاہ دوپٹہ اُوڑھ کر بیٹھ گئی ــــ اُداس ــــ غم گین ــــ
تباہ و برباد ــــ اور پھر اپنی اُداسی سے تاثر یہ دی کی عشق کا شعلہ ــــ جو کی اس وقت میں
ہوں ــــ وہ ایسا سیاہ ہے ــــ پھر اُس کے کالا دوپٹہ اُوڑھ کر بیٹھ جانے کا انداز ــــ
بجھی ہوئی شمع میں سے نکلتا دھواں ــــ محفل کی وارفتگی ــــ حاضرین کا سانس رُک کر

بیٹھے رہنا ——— اس ایک مخصوص موڑ پہ سازوں کا موخوف ہونا ——— پھر اچانک سازوں کی اونچی لے اور تال ——— ہورا مس کا اک دم سے مسکرا پڑنا ——— کہاں تو غم کی تصویر بنی بیٹھی تھی کہاں پھول کے ویسا ہنس پڑی ——— عورت ہے کہ بجلی ———" پھر کان میں جھک کر ہنس کر بولے : " مگر بیکاؤ نہیں ہے ——— بس یہیں ایچ آکر ساری گڑبڑ ہے ——" نواب شوکت نے ذرا الجھ کر انہیں دیکھا اور بولے :

" میاں ——— اگر ایسی ہی گھریلو بی بی ہے تو پھر ناچتی گاتی ہی کیوں ہے ——— تم ہی سوچا کرو کی بِکاؤ نہیں ہے۔ ہم تو مان کے نہیں دینے والے "

آج اچانک نواب شوکت کو وہ باتیں یاد آئیں جو نواب جمال الدین سے ہوئی تھیں ——— جو جو صفات طوائف کی بتا رہے تھے ——— عین مین انہی صفات کی طوائف انہیں بیٹھ کے لئے درکار تھی، جو صرف اپنے ناز و انداز سے ایک سوئے ہوتے مرد کو جگا دے ——— کیوں نہ وہ اسے پکڑ بھیجیں۔

" ذاکر خاں ——— آپ پتہ اٹھا کر ذرا سنجی ترارخ محلے کے کونے والے مکان تک جائیں گے ذرا ———"

"جی نہیں ———" ذاکر خاں بے حد اطمینان سے بولے۔

" جی ——— ؟" نواب صاحب ذرا غصے سے بولے ———

"جی ہاں ——— آپ نے جس جگہ، جس محلے اور جس مکان کا پتہ بتایا ہے میں اسے جانتا ہوں ——— وہاں تو یہ نامی ایک گاتے بجانے والی بی بی رہتی ہیں، لیکن وہ اپنے اصول کی اتنی پکی ہیں کہ آپ اگر اپنی ساری جائداد بھی اُن کے نام لکھ دیں نا ——— تو بھی وہ یہاں آنے کے لئے اپنے گھر کی دہلیز سے باہر قدم نہیں نکالیں گی ———" اتنا لمبا بیان دے کر ذاکر خاں اطمینان سے خلال کرنے لگے ———

"کیا آپ اُسے پہچانتے ہیں جو اتنے اعتماد اور وثوق سے بول رہیں ـــــ" وہ غصّے سے بولے۔

"جی ہاں ـــــ" اُن کا اطمینان بحال تھا ـــــ اب نواب صاحب چونک پڑے۔

"کمال ہے ـــــ آپ جیسا شریف آدمی اور طوائف کو جانے پہچانے ؟"

"میں شریف ہوں یا نہیں اللہ جانے ـــــ لیکن طوائف کو پہچانتا ضرور ہوں ـــــ اس لئے کہ وہ میری بیٹی ہے ـــــ" نواب صاحب اپنی جگہ سے اُچھل پڑے۔

"ذاکر خاں ـــــ !" لیکن ذاکر خاں اُن کی طرف دیکھے بغیر کہے گئے : "میں ایک آپ ہی کی طرح کے دوست کے ہمراہ وہاں زبردستی لے جایا گیا تھا ـــــ گانا سُننا، ناچ دیکھنا میرا شیوہ نہیں، میں اُن کے اصرار پر چلا گیا تھا ـــــ جا کر باہر کھلے صحن میں تسبیح رولنے لگا تھا ـــــ میں نمازی یا نیک یا پرہیزگار نہیں ہوں ـــــ نماز پڑھنا جان پر آتا ہے اس لئے اللہ میاں کو خوش کرنے کے لئے تسبیح ہمیشہ پڑھتا ہوں ـــــ آسان عبادت ہے بیٹھے بیٹھے موتی گراتے رہو۔ اللہ اللہ کرتے رہو ـــــ اللہ میاں نکتہ نواز ہیں، کیا پتہ ابھی بہلانے بخش دیں ـــــ گاتے گاتے بی بی تھک گئی ـــــ دُنیا والے کتنے ہی بازارو نام سے پکاریں، میں اُسے بی بی کہتا ہوں، تو کوئی دوسری لڑکیاں ناچنے گانے کو بیٹھ گئیں ـــــ بی بی صحن میں پڑے پلنگ پر لیٹنے آئی تو میں وہیں بیٹھا تسبیح رول رہا تھا ـــــ اُس نے مجھے بابا کہہ کر مخاطب کیا تھا ـــــ اور تب سے، تبھی سے وہ میری بیٹی تھی ـــــ یا پھر ممکن ہے میری عقل کا پھیر ہو اور وہ سدا سے میری بیٹی رہی ہو ـــــ"

نواب صاحب نے ذرا حیرت سے اُس سر پھرے بوڑھے کو دیکھا۔

"اُس نے مجھ سے پوچھا تھا : "بابا آپ اس ماحول میں تسبیح پڑھنے آئے ہیں ـــــ" میں نے جو بات تھی اُسے بتا دی تھی ـــــ ،، جیسے نواب صاحب کے ساتھ میں آیا ہوں۔ آیا نہیں ہوں کھینچا گیا ہوں۔ اُن کی بیگم صاحبہ نے دوستی کے ناتے مجھے انہیں سنبھالنے کی خاطر

بھیجا ہے۔ کہیں رات کو واپسی میں اندھیرے اُجالے گر نہ پڑیں ـــــ زیادہ بہک نہ جائیں پھر اُس نے کہا : "بابا میں خود تو کہیں نہیں آتی جاتی ہوں ـــــ آپ سے ملنے کو جی چاہے تو کہاں ملوں ـــــ کیوں کہ آپ سے بار بار ملنے کو جی چاہے گا ـــــ یہ دِل سے آواز آتی ہے ـــــ" اور جب میں نے پوچھا تھا کہ وہ خود کہیں کیوں نہیں جاتی تو اُس نے چند باتیں بتائی تھیں ـــــ اپنی مجبوریاں ـــــ اور چونکہ میں اُسے بیٹی کہہ چکا تھا اس لئے اُس کی مجبوریوں سے مجبور ہو کر میں نے خود اس کے ہاں جانا شروع کر دیا ـــــ ہفتے میں ایک بار۔ اور یہ سلسلہ مُدت سے جاری ہے ـــــ اور اسی لئے یہ بات کہتا ہوں اور وثوق سے کہتا ہوں کیوں کہ اسے جانتا ہوں پہچانتا ہوں کہ وہ نہیں آئے گی ـــــ"

"آپ عورتوں کی اس ذات ـــــ یا ترفات کو نہیں سمجھتے ذاکر خاں ـــــ آپ توڑا بھر اشرفیاں لے جائیے ـــــ کھنچی چلی نہ آئے تو ہمارا نام پلٹ دیجیے گا ـــــ"

"ہو سکتا ہے کہ اُس کے گھر تک، اُس تک پہنچوں ہی نہیں، یونہی آ کر کہہ دوں۔ یا یہ بھی ہو سکتا ہے جا کر آؤں بھی لیکن آپ کو یقین نہ آئے تو کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ خود ہی چلے جائیں ـــــ؟"

نواب صاحب سختی سے بولے : "نہیں ذاکر خاں، یہ نہیں ہو سکتا ـــــ ہم اب عُمر کے اُس دَور میں ہیں کہ ہمارا ایک بھی غلط قدم پورے خاندان کو تباہ کر سکتا ـــــ کنوارے رہے سو وخت کی بات ہو رَہتی ـــــ اب کِسی پاتر کے گھر یہ جانا ـــــ؟ کبھی نہیں... لاحول ولا ـــــ"

اپنے طور پر نواب شوکت نے خود بھی ایک کام کیا ـــــ محل کی تمام لڑکیوں عورتوں سے کہہ دیا کہ وہ صیغۂ مذکر میں بات کریں۔ دُلہن پاشا نے سُنا تو ناک پُرانگلی رکھ کر بولیں :

"ودی یہ موئی کیا بات ہوئی جی ـــــ"

"آپ کے سمجھ میں نہیں آئے گی ـــــ بس ابّا ہم بولتے ہیں کی اب سب لوگاں لڑکوں مَردوں کے ویسی بات کرنا ـــــ"

"مگر آخر کیوں ـــــ؟"

وہ جُز بُز ہو کر بولے: "ارے باوا، جان جوان لڑکا محض ماحول کی وجہ سے مُتخل لڑکیوں کے جیسی بات کر رہا ہے ـــــ اب اُس کے آس پاس سب لڑکیاں، لڑکوں کے جیسی بات کریں گے تو وہ بھی وہی طریقہ اختیار کریں گا ـــــ"

دوسری صبح بڑی بیٹی حسب معمول اسکول جاتے وقت اپنی ماں اور دادی کو سلام، خدا حافظ کہہ کر بولیں: "اچھا امّی ـــــ دادی ماں خدا حافظ ـــــ اب مَیں چلتیوں ـــــ"

تو نواب صاحب تیزی سے بولے ـــــ

"برکت بیٹے ـــــ اب مَیں چلتا ؤں بولو ـــــ رات کو آپ کے امّی سکھائے تھے نا ـــــ"

"جی ہو بابا ـــــ مَیں بھول گئی ـــــ ارے ـــــ بھول گیا تھا ـــــ"

دن بھر میں کئی بار ہنسی مذاق میں سب لڑکیاں ایک دوسرے کو ٹوکتیں ـــــ

"دیکھ تو نے پھر جارئی بولی ـــــ"

"اچھا باوا جاریا ـــــ بس ـــــ"

"دیکھ تو نے پھر کام کرتی بول دی ـــــ"

"اے اَب سے کام کرتا بولوں گی ـــــ"

"ہائیں بولوں گی ـــــ؟"

"اچھا اچھا بولوں گا ـــــ بس ـــــ؟"

نواب سرفراز حیرت سے سب کو اس طرح باتیں کرتا سُنتے ـــــ اُنہیں سخت اٹ پٹا لگتا کہ سب نے اچانک اس طرح اپنی بولی کیوں بدل دی ہے ـــــ حد یہ کہ اگر وہ خود بھی

بھوک نہ ہونے پر کہتے : ــــ "مَیں کھانا نہیں کھاؤں گی ــــ" تو کوئی نہ کوئی خادمہ انہیں ٹوکتی ــــ

"چھوٹے نواب کھانا نہیں کھاؤں گی مت بولئے ــــ کھانا نہیں کھاؤں گا بولئے ــــ" لیکن اُن کی زبان پر نئی بولی چڑھ ہی نہیں رہی تھی ــــ مزے کی بات یہ ہوئی کہ ادھر بیٹیوں برکت، نکہت، مسرت نے اسکول سے آکر ہنس ہنس کر ماں کو بتانا شروع کیا۔

"امی پہلے پہلے تو لڑکیاں خود ہمارا مذاق بنالیتی کی یہ کیا لڑکوں کے جیسا بات کرتیں جی ــــ مگر اب تو تو بھی لوگاں ہمارے ویسا لڑکوں کی طرح باتاں کرلے رئیں" امی ناک پر انگلی رکھ کر بولیں : "تمہارے بابا حضورؐ کے تو نرالے باتاں ہیں ماں ــــ"

ذاکر خاں اشرفیاں لے کر گئے بھی اور واپس بھی آگئے ــــ

"حضورؐ مَیں آدمی کی پہچان رکھتا ہوں ــــ وہ نہیں مانیں ــــ"

"تھیلی بھر اشرفیاں واپس کردی اُنے ــــ؟" نواب شوکت کا حیرت سے مونہہ کھلا رہ گیا ــــ

"مَیں آپ سے پہلے ہی عرض کرچکا تھا ــــ"

"پھر اب ہم کیا کرنا ــــ" وہ پریشانی سے بولے۔

"اب آپ بس یہ کیجئے کہ صاحب زادے کو خود وہاں بھجوا دیجئے ــــ" وہ رسان سے بولے ــــ

"دماغ خراب ہے آپ کا ــــ" شوکت نواب چیخے "ایک پاتر کے گھر ایک نواب زادہ پہنچ جاتے ــــ"

"علاج حضورؐ علاج ــــ" ذاکر خاں سمجھانے کے انداز میں نرمی سے بولے ــــ

"اور تو کوئی صورت نظر نہیں آتی ـــــ وہ بی بی یہاں آنے پر راضی نہیں۔ آپ صاحبزادے کو وہاں بھجوانے پر راضی نہیں ـــــ آخر بات کیسے بنے گی ـــــ؟"

"کیا شہر کے سب پاتراں مر گئیں ـــــ کیا اُسی میں سُرخاب کے پراں لگے وے ہیں ـــــ؟" نواب صاحب اُلجھ کر بولے ـــــ "آپ کسی اور کو ڈھونڈھئے ـــــ"

"میں تو ہزار ڈھونڈھ لوں ـــــ لیکن ڈاکٹر صاحب نے جس قابل اُستاد کے بارے میں فرمایا ہے وہ ساری خصوصیات تو اُنہی بی بی میں ہیں بس ـــــ آپ تو کبھی گئے نہیں نا ـــــ ایک خلقت اُمڈی پڑتی ہے ـــــ کوئی تو بات ہوگی نا ـــــ" نواب صاحب بڑی دیر تک خاموش رہے پھر پوچھا ـــــ

"محل میں بیگم پوچھیں گی بچے کو کہاں بھجوا دئے تو ـــــ؟"

"آپ کہہ دیں پہاڑ پہ بھجوا دیا ہے ـــــ"

"اچھی خاصی تو صحت ہے۔ پہاڑ پہ کاٹے کو ـــــ یہ تو کوئی معقول بہانہ نہیں ہُوا ـــــ"

"تو یُوں کہہ دیجئے کہ ماشاءاللہ صاحب زادے اب جوان ہوتے ـــــ کام کاج سنبھالنا تو اُنہی کو ہے ـــــ زمینات اور موضعے کی دیکھ بھال اور جائزے کے لئے کچھ دِنوں کے لئے گاؤں بھجوا رہے ہیں ـــــ اس پر تو بیگم صاحبہ معترض نہ ہوں گی ـــــ آخر مرد ہی کام سنبھالا کرتے ہیں ـــــ!"

تھوڑی دیر سوچ کر نواب صاحب بولے: "کیا یہ نہیں ہو سکتا کی روز جائیں اور شام کو یا رات پڑے واپس آ جائیں ـــــ؟"

"اس میں خرابی یہ ہو گی کہ جس ماحول کی یکسانیت انہیں درکار ہے وہ باقی نہیں رہے گی ـــــ رات کو یہاں آ جانے سے پھر وہی محل ہوگا، وہی لڑکیاں، وہی ماحول۔ چند روز متواتر وہاں رہ جائیں گے تو ایک نئی دُنیا سے روشناس ہو جائیں گے۔ آخر تو پھر اُسی

محل میں واپس آنا ہی ہے نا ـــــ؟"

" کہتے تو آپ ٹھیک ہیں ـــــ" اُنہوں نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر کہا:
" اولاد کی محبت میں انسان کیسا کیسا خوار ہوتا ہے ـــــ ابھی مولی جانے جنّت اور کیا دکھاتی ہے ـــــ!"

محفل اپنے عروج پر تھی ـــــ بچے ہوئے بڑے کمرے کے ایک طرف مسند بچھی ہوئی تھی ـــــ زرکار منقش ـــــ صرف وہ حصّہ جہاں بیٹھا کرتے ہیں خملیں تھی، باقی سب طرف، حاشیوں میں وسط میں کارچوب کا کام کیا ہوا تھا ـــــ گاؤ تکیوں میں بیٹھ سے مس ہونے والا حصّہ چھوڑ کر سلما ستارے کا جگمگاتا کام کیا ہوا تھا ـــــ اُس مسند پر کارچوب اور سلما ستارے سے بھی زیادہ جگمگاتی ہوئی ایک خوب صورت عورت بیٹھی ہوئی گا رہی تھی:

باغ میں گُل کھلے جاتے ہیں کہ وہ آتے ہیں
اُنگلیاں سرو اُٹھاتے ہیں کہ وہ آتے ہیں
جیتے جی کون عیادت کے اُٹھائے احساں
اِس لئے جان سے جاتے ہیں کہ وہ آتے ہیں

ذاکر خاں کے ہمراہ جب نواب سرفراز اس محفل میں قدم رنجہ ہوئے تو وہ اس شعر پہ تھی ؎

دیرت صد کو ئی اے دلِ مُشتاقِ جمال
دیکھئے ہم کو بلاتے ہیں کہ وہ آتے ہیں

نواب سرفراز اپنے باپ پر ہی پڑے تھے ـــــ اداؤں میں نسوانیت کا انداز تھا تو کیا ہُوا، تھے تو مرد ـــــ بھر پُر، کھلائی پلائی ـــــ اٹھارہ سال کے تھے۔ لیکن اپنی عمر سے دُگنے لگتے تھے ـــــ اُونچا پورا قد ـــــ بنی ہوئی تیار کاٹھی ـــــ مضبوط ہاتھ

پاؤں ـــــ سُرخ و سفید رنگ ۔ گھنے گھنے بکی لچک لئے ہوئے سیاہ بال ـــــ کان تک گئے کبھی نہیں تھے ـــــ جب تک بات نہ کرتے محفل میں موجود لوگوں کی نظر ان پر سے نہ ہٹتی ـــــ بس بات کرتے ہی سارا سحر ٹوٹ جاتا ـــــ

اور اُس وقت تو وہ خاموشی کے ساتھ ہی داخل ہوئے تھے ـــــ اور کس انداز سے ـــــ چمکتا ہوا اطلس کا سفید پاجامہ ـــــ ریشمی کرتے کا کلی دار کرتا، پٹیوں میں ہیرے کے بٹن جگمگ جگمگ کرتے ہوئے ـــــ انگلیوں میں بھاری نگوں کی دو انگوٹھیاں ـــــ موہنہ پہ ہلکا ہلکا پسینہ جو انہیں اور بھی جاذبِ نظر بنائے دیتا تھا ۔ ایک ہاتھ میں سفید جھینگ جیسا رومال سلیقے سے پکڑے ہوئے تھے ـــــ اُن کی وجیہ شخصیت کا سب سے دلکش پہلو اُن کے بال اُس وقت جمے ہوتے تو یہ حسن اور بانکپن پیدا نہ ہوتا ـــــ ایک دو چھلے ماتھے پہ آگرے تھے، جنہیں اُنہوں نے مارے گھبراہٹ کے پیچھے کرنے کی بجائے یونہی چھوڑ دیا تھا ـــــ

گانے والی نے اُنہیں کن انکھیوں سے آتا دیکھا، حاضرینِ محفل نے پوری پوری آنکھوں سے دیکھا اور شعر کے بول مزا دے گئے ـــــ اُن کے داخل ہوتے ہی مغنیہ نے دوبارہ جان کر وہی شعر پڑھا ؎

ویرت صد کو لگی اے دلِ مُشتاقِ جمال
دیکھئے ہم کو بُلاتے ہیں کہ وہ آتے ہیں

کسی نے آواز دکسا :

"اجی حضرت اُنُول خود ہی آگئے ـــــ" اور سب نے یک وقت نواب سرفراز کی طرف دیکھا جو جھینپے جھینپے گدیلوں پر بیٹھی جانذنیوں میں سے ایک کے کونے پر ذرا اُدھر سے ٹِک گئے تھے ـــــ

سازوں کے شور میں ایک قہقہہ بلند ہوا ۔ مغنیہ کے گانے میں کوئی خلل نہ پڑا ۔

وہ اپنی رس بھری آواز سے گاتی ہی رہی ——

ساتھ دُشمن کے وہ کیا آئے قیامت آئی
خاک میں ہم کو مِلاتے ہیں کہ وہ آتے ہیں

لوگوں کی آدھی توجہ گانے سے ہٹ کر نواب سرفراز کی طرف ہوگئی تھی —— نئے نئے دُولہوں کی طرح اُن کا محفل میں شرماتے شرماتے انداز سے بیٹھنا سبھی کو متوجہ کئے لے رہا تھا —— وہ کبھی کبھار ایک لمحے کو نظر اُٹھا کر حاضرین کو دیکھتے، پھر گانے والی کو دیکھ کر فوراً نظر جُھکا لیتے —— ایک بار انہوں نے ایسے ہی اچٹتی ہوئی نظر سے مغنّیہ کو دیکھا تو وہ مُسکرا کر گانے لگی ——

کون آتا ہے بُرے وقت کسی کے پاس لے فارغ
لوگ دیوانہ بناتے ہیں کہ وہ آتے ہیں

اس کے بعد اور غزلوں کی فرمائشیں ہوئیں —— وہ گاتی رہی، سُننے والوں کا دِل لبھاتی رہی —— سرفراز نواب شرماتے شرماتے بیٹھے سُنتے رہے —— وہ ان کی جھجک کو مُسکرا مُسکرا کر دیکھتی اور مزے لیتی رہی ——

رات گئے جب محفل برخاست ہوئی، ساز بڑھا دئے گئے —— مرجھائے پھولوں کی پتیوں اور تھالیوں میں پڑے سوکھتے پانوں کو سمیٹ کر چاندنیاں جھٹک دی گئیں۔ تو بھی نواب سرفراز اسی چاندنی پر، اسی کونے میں، اسی انداز سے ٹکے بیٹھے رہے —— سب لوگ اُٹھ کر چلے گئے —— مغنّیہ نے ہنس کر اُن کی طرف دیکھا —— اپنی جگہ سے اُٹھ کر اُن کے قریب آئی ذرا دوری پر ہی رُک کر مُسکرائی ——

"کہئے قبلہ —— اب کیا ارادے ہیں ——" نواب سرفراز اسکول میں داخل ہونے والے پہلے دن کے بچے کی طرح کسمسا کر رہ گئے ——

"آپ نے ——" وہ رُک رُک کر اٹھلا اٹھلا کر بولی: "کوئی جواب نہیں دیا حضور!"

اب کی بار اُنہوں نے سر اُٹھا کر ایک لمحے کو دیکھا ـــــ مجھ سے کہلایا گیا ہے کہ آپ کی شرم و حیا دُور کروں ـــــ کیسے کروں گی ـــــ" وہ ایک ٹھنڈی سانس بھر کر بولی : "سخت مُشکل ہے" نواب سرفراز یونہی بیٹھے رہے ـــــ چہرے پر ہلکی سی مُسکراہٹ تک نہ آئی ـــــ گھبراہٹ البتہ ہو گیا تھی ـــــ

"مُونہہ میں موتی ہیں کیا ـــــ؟ اچھا بات کرنے سے گر جائیں گے ـــــ! اسی لئے مُونہہ نہیں کھولتے ہیں نا آپ ـــــ!!" وہ ہنسی ـــــ "اچھا ـــــ وعدہ رہا ـــــ سارے موتی سمیٹ کر آپ ہی کو دے دوں گی ـــــ چور نہیں ہوں ـــــ" ساری باتوں کے جواب میں نواب سرفراز نے اِتنا کہا :

"نیند آتی ہے میں سوتی ـــــ" وہ ہنس کر بڑے لاڈ سے بولی : "تو سوتی تو میں کب جاگتی ـــــ میں بھی سو جاؤں گی ـــــ" نواب سرفراز نے اُس کے اس انداز پر چونک کر اُسے دیکھا تو وہ بڑے عجیب سے لہجے میں کمر پہ ہاتھ رکھ کر بولی ۔

"مرد ہیں تو مردوں کی طرح بات کیجئے نا ـــــ یا پھر کنگن پہن لیجئے ـــــ لیکن آپ کے ہاتھ تو مردوں ہی کی طرح مضبوط اور بڑے بڑے ہیں، میرے کنگن چھوٹے پڑ جائیں گے ـــــ خیر سنار سے کہہ کر بڑے بنوا لوں گی ـــــ" نواب سرفراز کو اس کے ملنے بھرے اندازِ گفتگو سے عجیب کوفت ہوئی ـــــ محل میں تو بچپن سے لے کر آج تک کسی نے ایسی بدتمیزی اور تیزی سے بات کرنے کی جرأت نہیں کی تھی ـــــ ذرا غصّے سے بولے :

"کیا میں چوڑیاں پہنوں گی ـــــ؟"

"انداز تو یہی بتاتے ہیں کہ آپ چوڑیاں بھی پہنیں گے، دوپٹہ بھی اوڑھیں گے مہندی بھی رچائیں گے اور ـــــ" وہ ہنسی ـــــ "سنگھار بھی کریں گے ـــــ"

"ذاکر جھا پوے کتنے گاؤں لے جارئیں ـــــ امی حضور سے جھوٹ بولے اُنوں ـــــ میرے کو کال لا کے پٹخ دیئے ـــــ" اُن کے لہجے میں غصّہ بھرا ہوا تھا ـــــ

"بہت بُری جگہ ہے کیا یہ ——" وہ ناک چڑھا کر بولی —— انہوں نے سر اٹھا کر پہلی بار کھُلی اور پُوری آنکھوں سے اُس کا چہرہ دیکھا —— خوبصورت چہرے پر جڑی ہوئی تیکھی سی ناک، جس میں ایک ننھی سی کیل جھلملا رہی تھی اور اُس نے اُس وقت ناک سکوڑی ہوئی تھی اور مُنہ بنا رکھا تھا —— اُن کو خیال ہوا کہ یہ صورت بُرا بنا دینے پر بھی بُری نہیں ہوتی تھی ——

"نہیں تو کیا اچھی ہے ——" وہ اُس کے چہرے کو بڑے غور سے دیکھتے ہوئے بولے؛ "پلنگ بے نامسہری ——" آپ نے کیا سمجھا تھا ایسے ہی کسی سرائے میں چلے آتے ہیں؟ آیئے میرے ساتھ —— اُٹھئے، آپ کو آپ کا کمرہ دکھا دوں ——" وہ تحکّم سے بولی۔

وہ اُٹھے —— کس قدر بلند و بالا شخصیت ہے! اُس نے سوچا —— وہ اُن کے سامنے کتنی چھوٹی سی لگ رہی تھی —— اُن کی شخصیت کے سامنے دب کر رہ گئی تھی —— کوئی نہیں کہہ سکتا مَیں اُن سے بڑی ہوں —— اُس نے اپنے آپ میں سوچا —— وہ اپنے سفید سفید پیر سلیم شاہی جوتیوں میں پرو چکے تھے —— آگے پیچھے چلتے چلتے وہ ایک آراستہ و پیراستہ کمرے میں پہنچ گئے —— وہ کمرے کی نفاست اور سجاوٹ کو مُونہہ اُونچا کر کے دیکھا کئے —— بولے کچھ نہیں —— آنکھوں نے البتہ پسندیدگی کی چغلی کھا دی۔

"ہم تو بس ایسے ہی ہیں فقیر لوگ —— آپ نواب صاحبان! اللہ ہی جانے کیسے قیام کر سکیں گے ——" وہ اُنہیں جلانے کو بولی اور مُونہہ پھیر کر مُسکرانے لگی —— انہوں نے اُس کی طرف دیکھا تو وہ کہیں اور دیکھ رہی تھی —— پھر وہ پلٹی اور اُنہیں سمجھانے لگی۔

"دیکھئے آپ کا سارا سامان وہ ساتھ والے چھوٹے کمرے میں ہے —— کپڑے الماری میں لگا دِیئے گئے ہیں —— جوتوں کا غالباً آپ کو بہُت شوق ہے۔ ڈھیر سارے آئے ہیں تھوڑے بہت اس خانے میں —— سنگھار میز کے نچلے والے خانے میں رکھ دیئے ہیں۔ باقی چھوٹے کمرے میں —— آپ تو دیر سے آئے۔ بگھی بھر سامان شام ہی کو پہنچ چکا تھا۔ مَیں نے سینٹ سجا کر رکھ دیا تھا —— تولیں کھونٹی پر بھی ہیں اور ساتھ والے حمّام میں بھی ——

ضرورت کی ہر چیز آپ کو مل جائے گی ـــــ صرف میں نہیں ملوں گی، اس لئے کہ آپ کو میری ضرورت نہیں ہے ـــــ"

"نہیں ـــــ نہیں ـــــ" وہ اپنا نحیف مجہول والا مضبوط ہاتھ بڑھا کر بولے ـــــ ایسی بات نہیں ـــــ آپ تو ـــــ آپ تو ـــــ"

"آپ تو ـــــ کیا ـــــ بات پوری کیجئے نا ـــــ" وہ شریر سی ڈھٹائی سے بولی :

"مشتوں تو بھی کر میں گیا ہوں ! مگر وہ جھجک کے مارے اپنی بات پوری نہ کر سکے ـــــ کمرے میں یہاں سے، پا اک نرم گدگدا قالین بچھا ہوا تھا ـــــ قالین ہی پر ایک طرف اخروٹ کی لکڑی کا منقش صوفہ سیٹ لگا ہوا تھا ـــــ کونے میں ایک طرف دیوار گیر الماری تھی ـــــ دیوار سے لگ کر بیچ میں بڑا سا چھپر کھٹ جس پر چھت گیری ہوتی تھی ـــــ

انہوں نے ایک نظر اسے دیکھا اور آگے بڑھ کر دھیرے سے صوفہ پر بیٹھ گئے ـــــ

"آپ بھی بیٹھئے نا ـــــ" وہ بہت نرمی سے بولے ـــــ

"خدا کا شکر ہے اتنے اخلاق مند تو ہیں ـــــ" وہ بھی دوسرے صوفے پر ٹک گئی ـــــ "آپ کے لئے چائے کھانے کا بندوبست کروں ـــــ"

وہ جلدی سے بچوں کی سی بے تابی سے بولے : "کھانا تو میں کھا کر آ گئی تھی۔۔۔"

ایک دم اس کی ہنستی ہوتی آنکھوں کو دیکھ کر جیسے ان کی زبان کو روک لگ گئی ـــــ محل میں پچھلے تین چار دنوں سے مسلسل ایک دوسرے کی خبر لی جا رہی تھی، انہیں بھی اکسایا جا رہا تھا کہ زبان بدلیں۔ لیکن اُن پر کوئی اثر ہی نہیں ہو رہا تھا ـــــ اس وقت وہ خود ہی رُک گئے ـــــ پھر تھوڑی دیر بعد بولے ـــــ

"میں کھانا کھا کر آ گیا تھا ـــــ"

"دیکھئے ـــــ" وہ تعریف بھرے لہجے میں بولی ـــــ "صرف ایک جملے نے آپ کی شخصیت کو کتنا بدل دیا ـــــ آخر آپ ایسی بات کرتے ہی کیوں ہیں ـــــ"

وہ شکایتی انداز سے بولے : — "سبھی ایسی تو ایسی بات کرتے ہیں کرن تو کیا ہوا" — ایک دم انہوں نے رومال والا ہاتھ منہ پر رکھ لیا — "میں کرا تو کیا ہوا —" پھر خود ہی ہنس پڑے —

"آپ کو نیند آ رہی ہو گی —" وہ بھی ہنستے ہوئے بولی۔

"اب میں چلوں — بڑے فانوس کا بٹن یہ بیچ والا ہے — رات کی بتی کے لئے یہ والا بٹن دبایئے گا — آپ —؟" اُس نے بڑی ادا سے جھک کر آل کہا۔

نواب سرفراز بے چینی سے بولے : — "آپ کو نیند آ رہی ہو گی تو دیکھا نو لیئے میرے کو تو نئیں آ رہی —" وہ سمجھ گئی کہ وہ اُسے روکنا چاہ رہے ہیں لیکن شرم اور جھجک اجازت نہیں دیتی — مسکرا کر بولی۔

"میں تو رات بھر بھی جاگوں تو نیند نہیں ستاتی —"

"تو پھر بیٹھئے نا —" بالآخر وہ بول ہی گئے —

"آپ کی نیند خراب ہو گی —"

"میرے کو نیند نئیں آ رہی —"

"ابھی تھوڑی دیر پہلے تو آپ کہہ رہے تھے کہ نیند آ رہی ہے میں سوتی —" اُس کے ہنسنے پر وہ شرمندہ سے ہو گئے — بولے :

"اصل میں زندگی میں پہلی بار امی حضور ہور محل سے الگ ہوئی — ہوا نا" انہوں نے جلدی سے خود ہی اپنی غلطی درست کرلی —

وہ چیخ کر کے بولی : — "یعنی یہ تو بہت ہی بُرا ہوا کہ اتنے ننھے منے سے پاپا کو امی سے الگ کر دیا گیا — دودھ کی بوتل کا انتظام کر دوں ؟"

وہ معصومیت سے بولے : "آپ تو ہم سے مذاق کر رہے ہیں —"

وہ اپنے کنگنوں سے کھیلتی ہوئی بولی : مذاق نہ کروں تو اور کیا کروں ـــــ آپ دیکھیے میں تو اچھے خاصے مرد ہیں اور باتیں ایسی کرتے ہیں ـــــ"

"اب سے نہیں کروں گی ـــــ نہیں کروں گا ـــــ" ایک ساتھ دونوں ہنسنے لگے ـــــ

"اچھا جناب آپ نے اپنا نام تو بتایا ہی نہیں ـــــ" وہ ہنستے ہنستے بولی ـــــ

"نواب سرفراز سلوت ـــــ" وہ ذرا اکڑ کر بولے۔

"شاباش ـــــ" وہ زور سے ہنس کر بولی ـــــ اچھے بچے اپنے نام کے آگے نواب ضرور لگایا کرتے ہیں ـــــ"

وہ حیرت سے بولے : "ایسا نہیں بولنا کیا ـــــ"

"نہیں بولیں گے تو کیا آپ نواب نہیں رہیں گے ـــــ؟" وہ پھر نرمی سے بولی۔ "اگر زندگی بھر آپ کو یہی احساس رہا کہ آپ نواب ہیں تو دانستہ، نادانستہ آپ سے کئی دل ٹوٹیں گے ـــــ" اچانک اس کا لہجہ دکھ سے بھر گیا ـــــ

وہ کچھ نہ سمجھے ـــــ" اب سے نہیں بولوں گی ـــــ نہیں بولوں گا ـــــ" اس بار وہ نہ مسکرائی نہ ہنسی ـــــ تھوڑی دیر یونہی خاموش رہی ـــــ پھر نواب سرفراز ہی بولے ـــــ

"آپ تو اپنا نام بتاتے ہی نہیں ـــــ"

"توبہ ـــــ" وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔

"آپ کس بات پر توبہ کر رہیں ـــــ" وہ حیرت سے بولے تو وہ ذرا تکلیف سے مسکرائی ـــــ

"میرا نام ہی توبہ ہے ـــــ"

"یہ ایسا کیسا نام ہے ـــــ" "دادی ماں تو بولنے کی گناہ بہوت کرے تو توبہ کرتے۔

نام تو توبہ نہیں ہونا چاہیئے نا ـــــ"

"لوگ گناہ کرتے ہیں تو توبہ کرتے ہیں ـــــ میں تو سراپا گناہ ہوں ـــــ کتنی توبہ کرتی اس لئے اپنا نام ہی توبہ رکھ لیا ـــــ" وہ گویا حیرت سے بولے ۔

"آپ کا نام آپ خود ایسے رکھ لئے ـــــ ماں باپ نہیں رکھے ـــــ"

"ہماری دُنیا میں ہم خود ہی اپنے نام رکھ لیتے ہیں ـــــ"

"آپ کی دُنیا کون سی ہے ـــــ" وہ تھوڑی دیر چپ رہ کر بولے ۔

"میں ایک طوائف ہوں ـــــ پاتر ـــــ"

اٹھارہ سال کا ایک جوان مَرد ـــــ مجھے اُس کے انداز نسوانی ہوں ـــــ لیکن جو پڑھا لکھا بھی ہو ـــــ بچپن سے خاندان بھر میں ناچ رنگ کی محفلیں بھی دیکھ چکا ہو، ایک نوابی ماحول کا مَرد ہو ـــــ وہ اس نام سے چونک تو نہیں سکتا ـــــ وہ تھوڑی دیر اُس کے معصوم چہرے کو دیکھتے رہے پھر بڑی سچائی سے بولے :

"مگر آپ کے چہرے سے تو نہیں لگتا ـــــ"

"چہرہ ـــــ کتاب نہیں ہوتا ـــــ پھر بھی پڑھا جا سکتا ہے ـــــ آپ نے چہرے کی کتاب تو پڑھ لی لیکن ماتھے کی وہ تحریر نہیں پڑھی جو میرا مُقدر ہے ـــــ" نواب سرفراز اُلّوؤں کی طرح اُس کا مونہہ دیکھتے رہے ـــــ!

اُس کے چلے جانے کے بعد بھی بڑی دیر تک اُنہیں نیند نہیں آئی ـــــ لیکن اُنہیں سخت حیرت یوں تھی کہ یہ بے خوابی ماں، باپ، دادی یا بہنوں سے بچھڑنے کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ وہ جوائی سے صرف ایک دیلا آڑے تھی اسی کے بچھڑنے یا چلے جانے کی وجہ سے تھی ـــــ

صبح نئے انداز سے جلوہ گر ہوئی ـــــ محل میں جب وہ صبح ہی صبح ـــــ اور ان کی صبح دس گیارہ بجے سے پہلے نہیں ہوتی ۔ اُٹھتے تھے تو چو طرف سے چھوکریاں اُنہیں

گھیر لیتی تھیں ——

"ایو چھوٹے نواب اب اُٹھئے نا ——"

"اللہ پاشا پانی ٹھنڈا ہو کو جاتا ——"

"چھوٹے نواب پراٹھے اُجاڑ لکڑی کے ٹکڑے ہو جائیں گے ——"

"چھوٹے پاشا —— آپ آج چیلا کھانے کی تباشہ کی اُبلا ہوا انڈہ ——"

ادھر سے ایک پاؤں دباتی —— دوسری سر میں مالش شروع کر دیتی —— کوئی اُنگلیاں چٹخاتی اور یہ مزے مزے میں کروٹوں پہ کروٹیں لئے جاتے —— بیچ بیچ میں چھوکریوں کی گردان جاری رہتی ——

"ایو سرکار اب کب تک پڑے رہتے ——"

"اُٹھتی نا ابھی ——" وہ سستی نکالتے —— ہاتھ پاؤں تناتے۔

یہاں ابھی ملگجا ملگجا اُجالا اور ہلکا ہلکا اندھیرا باقی ہی تھا کہ کسی نے مترنم آواز سے تلاوت کرنی شروع کر دی —— اُنہوں نے پڑے پڑے سوچا کہ وہ کہاں ہیں —— پھر رات کا اپنا آنا یاد آ گیا —— تلاوت کی آواز بند ہوئی —— پھر دھیرے دھیرے ایک چاپ اُن کے کمرے تک پہنچی، کوئی دروازے میں رُک گیا۔

"آپ نماز کے لئے اُٹھیں گے ——؟" وہی آواز تھی —— رات والی۔

دوسرے کمروں میں ہل چل ہو رہی تھی —— پتہ نہیں لوگ جاگ اُٹھے تھے یا سوتے ہی نہیں تھے —— اُن کی کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ کیا جواب دیں —— وہ ابھی تک دروازے ہی میں کھڑی تھی —— یہ اپنے بستر پر اُٹھ کر بیٹھ چکے تھے —— پھر وہ اندر آئی —— بٹن دبا کر اُجالا کیا —— دیکھا تو وہ سر جھکائے بستر پر بیٹھے تھے۔

"آپ تو سرفراز ہیں نا —— سرفراز کے معنی آپ کو معلوم ہیں ——؟ سربلند۔ پھر آپ یوں سر جھکائے کیوں بیٹھے ہیں ——؟" اُنہوں نے سر اُٹھا کر اُسے دیکھا ——

کس قدر نکھری اور ستھری، صاف شفاف اور نفیس عورت تھی —— رات کا سراپا ابھی تک آنکھوں میں تھا —— انہوں نے پہلی بار کسی عورت کو ساڑی میں دیکھا تھا —— گھر میں دادی اماں سے لے کر، امی حضور تک اور بہنوں سے لے کر نوکرانیوں تک سب چوڑی دار اور پاجامے، یا کھڑے چار کلی کے پاجامے یا آڑے پاجامے کرتے پہنتی تھیں —— اس پر اوڑھنیاں یا چھ گز تک کھڑے دوپٹے —— ساڑی کا محل میں چلن نہیں تھا —— بابا حضور امی کے لئے دو تین موقعوں پر ساڑیاں لائے تھے لیکن وہ ساس کے ادب اور خوف سے پہنتی نہ تھیں —— دادی اماں کہتی تھیں :

"یہ پاتروں کا پہناوا ہے اُجاڑ ——"

رات کو اُس نے ہلکے نیلے رنگ کی باریک جارجٹ کی ساڑی اور اسی رنگ کا بلاؤز پہن رکھا تھا —— ساڑی پر نیلے بادلے کی کامدانی تڑی ہوئی تھی —— زیور میں بھی نیلے رنگ کے نگ جڑے ہوئے تھے —— ہاتھوں میں نیلے نگوں کا حیدرآبادی جوڑا تھا جو ہر جنبش کے ساتھ جھل جھل کرنے لگتا تھا —— آنکھیں، جو قدرتی طور پر نیلاہٹ لئے ہوتے تھیں، لباس کے ساتھ بُری طرح میل کھا رہی تھیں —— نیلے لباس میں گلابی چہرہ پھول کی طرح رکھا ہوا تھا —— کانوں میں لمبے لمبے جھمکے لئے ہوئے نیلے آویزے اور گلے میں نیلا جڑاؤ گلوبند —— پھر اس کا پلو سنبھالنے کا نزاکت بھرا انداز —— جب بھی آنچل ڈھلک جاتا، وہ لمبی لمبی کافوری سی انگلیوں سے، دو چٹکیوں سے شانے کے پاس سے ساڑی کو پکڑتی اور دھیرے سے نرم نرم گردش سے جاکر پلو ٹکا دیتی کہ ساڑی پر ٹانکا ہوا طلائی حاشیہ کوندے اُٹھتا۔

اور اب وہ سفید ساڑی اور سفید ہی بلاؤز میں ملبوس نورانی چہرہ لئے انہیں جگا رہی تھیں —— نہ جسم پر زیور تھا نہ رات والا سنگھار —— لیکن اس وقت چہرہ رات سے کہیں زیادہ پاکیزہ لگ رہا تھا۔

"آپ منہ ہاتھ دھوئیں تو چائے ناشتہ بھجواؤں ـــــ" وہ ایک چھلانگ مار کر بستر سے اُترے۔

"نہیں میں پہلے نماز پڑھوں ..... گا ـــ" وہ ذرا رُک کر بولے اور اسے دیکھ کر مسکرا دئے۔

"مجھے پتہ تھا محل میں آپ نماز پڑھتے ہوں یا نہ پڑھتے ہوں ـــ یہاں ضرور پڑھیں گے ـــ دیکھئے رات ہی کو میں نے جانماز مسہری کے سرہانے لٹکا دی تھی"۔

ناشتہ کرنے میں ہی لگ گیا تھا ـــ وہ پراٹھے کا نوالہ توڑتے ہوئے بولے۔

"اتنی صبح آپ کیسا اُٹھ گئے ـــ؟"

وہ ہنسی ـــ "میں سوتی تو اُٹھتی نا ـــ میں رات سے ہی جاگ رہی ہوں"

"وہ کاہے کو ـــ؟" وہ حیرت سے بولے ـــ "آپ کو نیند نہیں آتی ـــ؟"

وہ ایک ٹھنڈی آہ بھر کر بولی ـــ "نیند ہی تو نہیں آتی ـــ" ایک دم وہ بات کا موضوع بدل کر بولی ـــ

"آپ جلدی سے ناشتے سے فارغ ہو لیں تو باغ میں ہوا خوری کو چلیں گے ـــ"

"آپ کے گھر میں باغ ہوتا ـــ؟" وہ بچوں کی سی خوشی سے بولے۔

"ایسے ہی غریبانہ چھوٹا سا باغ میں نے اپنے ہاتھوں سے لگایا ہے"

"پھر تو وہ بہت اچھا ہوئیں گا ـــ" وہ ایک مرد کی طرح بولے۔

"کیوں ایسی کیا خاص بات ہوگی ـــ" وہ ترچھی نظر سے دیکھتے ہوئے بولی۔

"نہیں ایسے ہی ـــ بولا ـــ" اور وہ جھینپ کر ہنس دئے۔

"ارے میں بھی کیا بد اخلاق ہوں ـــ آپ کو کھانے کو بھی نہیں بولا ـــ"

وہ ندامت سے بولے "کھائیے نا کچھ ـــ"

"یہ حکم ہے یا اصرار ـــ" وہ مسکرائی۔

"میں کیا حکم دوں گی ـــــ نہیں نہیں میں کیا حکم دوں گا ـــــ"

"کیوں آپ حکم کیوں نہیں دے سکتے ـــــ پتہ ہے آپ کی خدمت کے لئے مجھے پانچ ہزار روپے ماہانہ دئے جائیں گے ـــــ اس حساب سے میں آپ کی باندی ہوئی۔ آپ میرے آقا ـــــ"

باہر چڑیاں چوں چوں کرنے لگی تھیں ـــــ پرندے چہچہا رہے تھے۔ ٹھنڈی اور خوشگوار ہوا اپنے دامن میں خوشبوؤں کو لئے ہی چلی آرہی تھی ـــــ ایسا منظر نواب سرفراز نے کبھی نہیں دیکھا تھا ـــــ اور ایسی باتیں بھی کبھی نہیں سُنی تھیں اور ایسی دوسری دُنیا سے آئی ہوئی مخلوق، جیسی کہ یہ عورت تھی، کبھی کبھی نہیں دیکھی تھی ـــــ ان کا دل عجیب سے جذبات سے بھر گیا ـــــ سنجیدگی سے بولے۔

"زندگی میں آج تک کوئی ہمارا دِل نہیں دُکھایا ـــــ آپ کاہے کو دُکھاتے؟"

دِن ایسے گزر رہے تھے جیسے سونے کے چھلّے میں سے ریشمی دوپٹہ ـــــ سرسر ـــــ سرسر شادی بیاہ میں کبھی ماں بہنوں کے ساتھ نواب سرفراز بھی جاتے تو ریتوں رسموں کو بڑے چاؤ اور حیرت سے مُونہہ کھولے دیکھتے ـــــ ایک رسم انہیں بہت اچھی لگتی تھی ـــــ دولہا آرسی مصحف کے لئے دُلہن کے تخت تک لایا جاتا ہے، لیکن سُسرال والیاں خاص طور سے سالیاں، اور جوان بھابیاں، موسانیاں، رشتے ناتے کی سُہاگنیں چڑھنے نہیں دیتیں ـــــ روکے رکھتی ہیں "جب تک اس چھلّے میں سے ریشم کا دُلہن کا دوپٹہ نہیں گزارو گے اُوپر نہیں چڑھنے دیں گے ـــــ لیکن شرط یہ ہے کہ ایک ہی ہاتھ سے چھلّا بھی پکڑو اور دوپٹہ بھی سنبھالو ـــــ" کوئی کوئی گھامڑ تو دونوں ہاتھ لگا دیتے اور پھر نیگ کے روپے لے کر ہی اُن کو چھوڑا جاتا ـــــ اور کوئی کوئی مہارت سے اِدھر چھلّا پکڑا، چھوٹی اُنگلی میں ڈالا ـــــ دانتوں سے دوپٹے کا کونا پکڑ کے چھلّے میں سے گزارا اور سرسر سرسر دوپٹہ چلا منزل کو ـــــ اِدھر شور مچ جاتا ـــــ

"اے ہے یہ تو بے ایمانی ہے ـــــ ایک ہاتھ میں کرنا تھا ـــــ یہ تو دانتوں سے پکڑے رہئے ـــــ"

دُلہا والیاں بولتیں : ـــ"اَئی واہ دانتوں کی منا ہی تھی کیا ـــــ وہ تو دوسرے ہاتھ کو منع کرے تھے ـــــ" اِدھر ہنسی ہوتی رہتی اُدھر ڈوپٹہ چھلّے سے پار بھی اُتر جاتا۔ بس اُسی طرح ان کے بھی شب و روز سونے کے چھلّے میں سے ریشم کی طرح سَر سَر گزر رہے تھے ـــــ نکلے جارہے تھے۔

اب وہ محل واپس جائیں گے تو کیا کریں گے ـــــ؟" یہ سوال بار بار اُن کے ذہن میں آتا تھا ـــــ اس نے انہیں بتایا تھا کہ وہ دو مہینوں کے لئے یہاں بھجوائے گئے ہیں ـــــ پہلی بات تو انہیں یہی نہیں معلوم تھا کہ آخر وہ کِس وجہ سے یہاں بھیجے گئے ہیں لیکن اب بھیج ہی دئیے گئے تھے تو واپس کیوں بلائے جائیں ـــــ؟ ابھی کُل چھ دِن ہی بیتے تھے اور یہاں ان کا ایسا دِل لگ گیا تھا کہ وہ دِل ہی دِل میں سوچ رہے تھے کہ بابا حضور سے کہہ دیں گے کہ کیسا بھی کر کے میرے رہنے کا اب یہیں انتظام کردیتے۔

ایک عجیب نرالی دنیا تھی یہاں کی بھی ـــــ پہلے دن جب وہ آئے تھے، رات کا وقت تھا ـــــ مسند پر سامنے ہی وہ گانا گاتی بیٹھی تھی ـــــ ساتھ میں ساز ندے تھے ـــــ اندر باہر کچھ لڑکیاں اور عورتیں بھی آجا رہی تھیں ـــــ جب کچھ اندازا انہیں نہ ہو سکا تھا ـــــ اب پتہ چلا تھا کہ وہ سب بھی ناچتی گاتی تھیں ـــــ چھ دنوں سے خود اس نے تو پھر محفل نہیں سجائی، دوسری لڑکیاں البتہ آنے والوں کا ناچ گانے سے دِل بہلاتی تھیں۔ انہوں نے ایک دِن پوچھا بھی ـــــ

" پہلے تو آپ گاتے بیٹھے تھے ـــــ جس دِن میں آیا تھا ـــــ اب کیوں نہیں گاتے آپ ـــــ؟"

"گاؤں گی ـــــ ناچوں گی بھی ـــــ یہ تو میرا پیشہ ٹھیرا ـــــ اصل میں آپ کے

آنے کی خوشی میں سمجھئے یا آپ کی دِل بستگی کی خاطر، میں نے چھٹی کر رکھی ہے ——"

"لوگاں آپ کا نام لے لے کر بہت پُکارتے —— نا؟" روزانہ رات کو محفل سجتی اور دوسری لڑکیاں گانے بجانے بیٹھتیں تو وہ بھی سرفراز نواب کو لے کر وہیں آجاتی اور گلدستے کی طرح سج جاتی —— گھر کے سارے لوگ اُسے بی بی کہتے —— چھوٹی لڑکیاں بی بی آپا کہتیں —— لڑکیاں گاتی رہتیں اور لوگوں کی نِگاہیں اسی پر جمی رہتیں —— گاتے گاتے لڑکیاں خنت مٹانے کو اسے آمادہ کرتی رہتیں۔

"بی بی آپا —— اب آپ آجائیں یہاں —— سب لوگ آپ کی آواز کے ملتا ہیں:

"بی بی آپا —— نہیں گائیں تو کم سے کم ہمارے سامنے آکر تو نہ بیٹھئے —— ہماری سُبکی ہوتی ہے ——" وہ مُسکرائے جاتی —— ایسا وقار اُس کے چہرے پر تھا کہ لوگ نظر بھر کر دیکھنے کی بھی ہمت نہ پاتے —— ایسی کوئی بھاری بھرکم شخصیت بھی نہیں تھی —— موزوں قدو قامت کی ایک خوب صورت عورت ضرور تھی، لیکن بے پناہ ملاحت —— بعض عورتیں اِس قدر حسین، اتنی نفیس، اتنی باوقار اور کچھ ایسا رعبِ حسن لئے ہوتی ہیں کہ مرد ان کی تمنا تو کرتے ہیں —— لیکن چھوتے ہوئے ہمت نہیں ہوتی —— ایسی عورتوں کو عزت لُٹنے کا خطرہ نہیں ہوتا —— مرد انہیں جی جان سے چاہتے ہیں —— وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ عورت چھونے کے لئے ہی بنائی گئی ہے، پھر بھی وہ رعبِ حسن سے حترا جاتے ہیں —— نظر بھر کر دیکھ بھی نہیں پاتے۔

اور وہ بھی انہی عورتوں میں سے ایک تھی۔

وہ دِن نواب سرفراز کی زندگی کا سب سے خوب صورت دن تھا۔ ایسا لذت آمیز دن

کہ وہ دنوں اس نشے میں سرشار رہے۔

محل میں یہ ہوتا تھا کہ جو نواب سرفراز نے کہہ دیا پتھر کی لکیر ــــ کسی کی مجال نہ تھی کہ حکم سے سرتابی کرے، ذرا کسی بات پر غصے ہوئے اور لڑکیوں کی فوج کی فوج منانے اور خوشامد کرنے کے لئے تیار، اور یہ ہیں کہ مزید اینڈتے جا رہے ہیں مگر مان کر نہیں دیتے ــــ آنے کے کوئی آٹھویں دن کی بات تھی کہ نواب سرفراز نے اس سے اچانک ہی کہا۔

"آج آپ بہت خوب صورت لگ رہے ــــ"

"اچھا ــــ" وہ ہنسی "آئینہ دیکھ کر رائے دوں گی۔ آپ کی پسند کا کیا بھروسہ" وہ بھی ہنس دیئے۔ بولے:

"آج آپ اور میں ذرا گھومنے چلیں گے ــــ"

"گھومنے ــــ؟" وہ آنکھیں پھیلا کر حیرت سے چلائی: "کہاں؟"

"ایسا ایچ ــــ پتھر گھٹی ــــ چار مینار ــــ لاڈ بازار اور پھر... ..."

"باس ــــ باس ــــ باس ــــ" وہ شرارت کے موڈ میں تھی "بہت گھوم لئے بھئی ــــ تھک کر چور ہو گئی میں تو ــــ" وہ سمجھ گئے کہ یہ ٹال رہی ہے۔ ذرا غصے ہو کر بولے ــــ

"تو آپ نہیں چلیں گے کیا ــــ؟"

"میرا کہیں آنے جانے کو جی ہی نہیں چاہتا ــــ"

"تو پھر آپ میرے سے بات بھی نہیں کرنا ــــ" وہ غصے میں بھر کر بولے تو وہ الٹ کر بولی۔

"تو آپ کیا سمجھتے ہیں کہ میں آپ کے لئے مری جا رہی ہوں؟ ارے جناب آپ ایک دن بات نہیں کریں گے تو میں سو دن نہیں کروں گی۔ آپ خود کو سمجھتے کیا ہیں۔ ہونہہ۔ اور وہ پیر پٹختی ان کے کمرے سے نکل گئی۔

"اے" وہ زنانے میں آگئے ـــــ یہ تو تیج مُچ نکل کر ہی چلی گئی ـــــ بجائے اس کے کہ مجھے مناتی۔ خود ہی غُصّے ہو کر بیٹھ گئی ـــــ ارے ناہ !

انہیں پھر کبھی ایک آس سی تھی کہ شاید وہ آئے لیکن وہ دوپہر کے کھانے پر وہ کسی طرح وہ بُلانے نہیں آئی ـــــ بُلانا کیا وہ تو خود ہی اُنہی کے کمرے میں ان کا اور اپنا کھانا لے کر آجاتی تھی اور ساتھ بیٹھ کر ہنسی مذاق، شرارت اور چُہلوں کے درمیان کھانا چلتا رہتا تھا ـــــ آج وہ کھانا لے کر گیا آتی، بوسیدہ سالے خانساماں آکر دروازے میں اڑ گیا۔

"نباب صاب کانا کدھر پہنچاؤں ؟"

اُنہیں بے حد غصّہ آیا "کھانا کدھر پہنچاؤں ـــــ" اس شخص کی بات چیت میں حرف ہ کا کوئی گزر ہی نہیں ـــــ کہاں تو وہ ہنسی سے بھرپور باتیں، ہنستا ہنستا چہرہ۔ ہری بھری اُدائیں اور کہاں یہ بُڈھا جس کی بات میں وہ کبھی نہیں آتا، ہنسی کیا آئے گی ـــــ غُصّے سے تپ کر بولے :

"تمہارا نام کیا ہے جی ـــــ ؟"

وہ ادب سے بولے : "ایدر میاں" (حیدر میاں) آج ان کو ہر بات پر غصّہ آرہا تھا نام دیکھو تو ایدر میاں ـــــ بات سُنو تو، کانا کدر پہنچاؤں" خوب غصّے سے بولے :

"بھاگ جاؤ ـــــ"

وہ نرمی سے بولے "باگ جاؤں ؟"

انہیں شدید غُصّے میں خیال آیا کہ ہو نہ ہو یہ اس کی شرارت ہے اور اسی نے مجھے جلانے کے لئے اس سڑے سالے بڈھے کو بھجوا دیا ہے ـــــ چھلانگ لگا کر بستر سے نکلے اور سیدھے اس کے کمرے میں ـــــ وہ بڑے سکون سے بیٹھی ہوئی تھی ـــــ

"آپ کے یہاں مہمانوں سے ایسا ہی سلوک ہوتا ہے کیا ؟" وہ غُصّے سے لال پیلے ہو رہے تھے ـــــ اس نے انہیں ذرا سا مسکرا کر دیکھا مگر پھر مُونہہ پھیر لیا۔

تلے کے ایک بے ہودہ بُڈھے کو میرے سر لاد دے۔ آپ خود کہاں کا پُوچھنے نہیں آ سکتے تھے؟" ان کے اس طرح چیخنے چلانے پر اس نے صرف ایک نظر انہیں دیکھ وہ ایک منتر جس نے اٹھارہ سالوں کی سوئی ہوئی قوتوں کو جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر جگا دیا۔ اسی طرح پُرسکون انداز سے بستر پر آڑی ترچھی لیٹی ہوئی تھی —— ان کے چیخنے چلانے کا جیسے اس پر کوئی اثر ہی نہیں ہوا تھا اور نہ وہ بات کرنے ہی کے موڈ میں تھی۔

اچانک ان کا دم گھُول گیا —— ایک ایسی تبدیلی انہوں نے اپنے آپ میں پائی کہ ان کا وجود ہل گیا —— اُسے یوں لیٹا دیکھ کر وہ اور بھی بے دم ہو گئے، سانس دھونکنی کی طرح چل رہی تھی، بڑی مشکل سے بہت مشکل سے انھوں نے آپ کو سنبھالا ——

"بیہودہ سا لباس، ساڑی میں ہی کچھ گڑبڑ ہے —— عورت پہن کر لیٹے تو کر کے پاس کیسا قاتل ختم پڑ جاتا ہے، انہوں نے اُسے گرسنہ نظروں سے گھورتے ہوئے سوچا۔

وہ ان کے جذبات کے مدوجزر سے بے خبر، یا جان بوجھ کر بے خبر بنی لیٹی رہی تھک ہار کر جب وہ اس کے کمرے سے نکلنے لگے تو انہیں لگا کاش یہ اس کے دل میں کچھ رحم آ جائے اور وہ بلائے لیکن وہ تو مناتے کے لئے تیار ہی نہیں تھی۔

ایک دن گزرا ——

دوسرا دن گزرا ——

تیسرا بھی دن گزر گیا —— رات آئی —— آج جانے کتنے دنوں بعد اس نے محفل سجائی —— ہارمونیم ہاتھ میں لینے سے پہلے حاضرین محفل کو بھرپور نظروں سے اور انہیں نواب سرفراز کو اچٹتی نظر سے دیکھ کر سازندوں سے مخاطب ہوئی۔

"محفل میں کوئی ہم سے خفا خفا ہے —— سمجھ میں نہیں آتا کیا گائیں کہ یہ خفگی دُور ہو جاتے —— ؟"

نواب سرفراز پوری جان سے سنسنا گئے۔ "اُف! یہ عورت تو مجھے مار ڈالے گی۔

غصّے ہو جاؤ تو مناتی نہیں ـــــ بات کرو تو سُنتی نہیں ـــــ مخاطب کرو تو بات نہیں کرتی اور دُور بیٹھو تو آنکھوں کے کونوں سے بُلا دے دیتی ہے ـــــ رُعب داب ایسا کہ چھُو نہ سکو۔ تو کیا کرو مَر جاؤ ـــــ ؟ نہیں نواب سرفراز! محل چلو، وہاں بہوت لڑکیاں ہیں۔

ان خیالات کی ڈور ٹوٹ گئی ـــــ سازوں کی سنگت میں اس کی آواز کا جادو سارے میں بول رہا تھا ـــــ کیا گلے میں نُور بھرا ہُوا تھا ـــــ انہیں لگا کہ اگر یہ عورت اندھیرے کونے میں بیٹھ کر بھی گاتے تو اس کی آواز کے اُجالے سے کمرہ روشن ہو جائے

کس مصیبت سے بسر ہم شبِ غم کرتے ہیں
رات بھر ہاتے صنم ہاتے صنم کرتے ہیں

وہ شعر پڑھنے کا انداز اور وہی اُچٹتی ہُوئی نگاہ پھینکنا ـــــ نواب سرفراز کو محفل سے اُٹھتے بن پڑ رہی تھی نہ بیٹھتے ـــــ

برسوں تڑپاتے ہیں جب تیغ علم کرتے ہیں
کس تکلف سے وہ تکلیفِ ستم کرتے ہیں
مجھ سے کہتا ہے یہ احسان جتا کر ظالم
ہم سوا تیرے کسی پر بھی ستم کرتے ہیں

اور پھر سب کو نظر انداز کر کے پُوری پُوری توجہ ان کی طرف کرنا لیکن اس میں بھی ایک ادا کہ محفل سمجھے نہ سمجھے لیکن وہ سمجھ لے جس کے لئے گایا گیا ؎

ہم ہی بدنام ہیں جھوٹے بھی ہم ہی ہیں بیشک
ہم ستم کرتے ہیں اور آپ کرم کرتے ہیں!

پھر تحت اللفظ حاضرین کی طرف دیکھ کر، رُک رُک کر۔

"ہاں صاحب ہم ستم کرتے ہیں اور آپ تو کرم کرتے ہیں نا ـــــ"

ایسی رات اُنہوں نے اب تک نہیں گزاری تھی ـــــ اس میں ایک کیف بھی تھا'

کسک بھی، دل آزاری بھی، کچھ کھونے کا احساس بھی، کچھ پالینے کی کیفیت بھی، ایک لذت بے نام ——

پندرہ دنوں بعد ڈاکٹر صاحب محل پر آکر اپنے مریض کو دیکھنے آنے والے تھے اس لئے نواب صاحب نے ذاکر خاں کو بھجوا کر ایک دن پہلے ہی صاحبزادے کو محل بلوالیا۔ جس صبح ڈاکٹر صاحب آنے والے تھے، اس سے پچھلی رات کو یہ ہوا:

رات کو صاحبزادے کے کمرے میں دودھ پہنچانے زیبون گئی تو سہی لیکن لوٹی نہیں —— اس کی ماں بھی "چھوٹے صاحب کے پاؤں داؤں دبانے بیٹھ گئی ہوگی" ایک گھنٹہ —— دو گھنٹہ —— انتظار کرتے کرتے زیبون کی ماں سو گئی —— صبح آنکھ کھلی تو ہڑبڑا کر دیکھا، ابھی تک زیبون غائب تھی —— گھبرا کر چھوٹے سرکار کے کمرے کو بھاگی —— دروازے کو دھکا دیا تو کھل گیا —— سامنے جو منظر تھا اس نے اُسے بال نوچنے اور سر پیٹنے پر مجبور کر دیا ——

لمبے چوڑے چھپر کھٹ پر پہلے تو زیبون دکھائی ہی نہیں دی: جو غور سے دیکھا تو دور میں ایک جسم بن کر پڑی ہوئی تھیں اور سفید چادر پر گل بوٹے بنے ہوئے تھے۔

"میں لٹ گئی پاشا!"

"میں برباد ہو گئی پاشا ——"

"آگے کیا ہوا —— ؟" صبح ہی صبح یہ ہنگامہ دیکھ کر دولہن بوکھلا گئیں ——

"آگے کیا ہوا —— بول تو سہی موئی ——"

"اب کیا بولوں پاشا —— بولنے کو موتہہ ایچ کہاں رہ گیا، وہ دھڑا دھڑ چھاتی کوٹنے لگی ——

دولہن پاشا نے بڑے افسوس سے نواب شوکت کو رات کی واردات سنائی تو وہ

ہاتھ اُٹھا کر بولے۔

"مولیٰ کا احسان ہے ۔۔۔ شکر ہے"

"اُئی کیا آپ کی مغز ماری گئی جی ۔۔۔ بہ حال ایک غریب بچی کی عزت لُٹ گئی۔ ہور آپ مولیٰ کا شکر ادا کریئے ۔۔۔"

"انسان بڑا خود غرض ہے بیگم ۔۔۔ آپ کو کیا بتا تا، ہم آج کتنے خوش ہیں۔ ہمارے سر سے آج کتّی بڑا بوجھ اللہ ہٹایا"

ماں تو بے حد خوش تھیں کہ پندرہ دِنوں بعد بیٹا گاؤں سے آیا ہے لیکن الگ الگ باپ بیٹے کے دِل میں چپّی سی چل رہی تھی ۔۔۔ نواب شوکت سوچ رہے تھے کہ اب صاحبزادے کو کیوں طوائف کے کوٹھے پر بھجوائیں ۔۔۔ علاج تو پورا ہو ہی گیا ۔۔۔ اور صاحبزادے سوچ رہے تھے، دو دِن گزر گئے ہیں مجھے کیوں بھجوایا گیا تھا وہاں یہی پتہ نہ چل سکا اور اب روکا کیوں جا رہا ہے یہ بھی نہیں معلوم؟ لیکن اے مولیٰ کوئی مجھے نہ روکے میں اب محل میں کیسے رہوں گا ۔۔۔؟

ڈاکٹر صاحب آئے۔ تفصیلی باتیں ہوئیں ۔۔۔ بے حد خوش ہوتے ۔ بولے: "مجھے پتہ تھا میرا طریقِ علاج ناکارہ نہیں ہے ۔۔۔ بہر حال ایک بچی کی عزت لُٹ گئی سخت افسوس کی بات ہے ۔۔۔ خدا گناہوں کو معاف کرنے والا ہے ۔۔۔ اچھی جگہ دیکھ شادی ضرور جلد سے جلد کروا دیجئے ۔۔۔ دان دہیز اتنا دیجئے کہ ماں کے دِل کا غم بھی دُھل جائے ۔۔۔ حالانکہ یہ داغ دولت سے نہیں دُھلتے ۔۔۔ لیکن پھر بھی دولت دھبوں کو چُھپا ضرور دیتی ہے ۔۔۔"

"زبیدن کی شادی تو ہو جائیں گی" نواب صاحب بولے: "لیکن اب آپ یہ بتایئے کی صاحبزادے کو ابھی اور بھی وہاں بھجوانا چاہیئے کی مطلب پورا ہو گیا ۔۔۔؟"

"میرے خیال سے تو منزل مل پہنچی ہے ـــــ" ڈاکٹر صاحب مسکرا کر بولے۔
لیکن منزل کہاں، ابھی تو نواب سرفراز نے آدھا راستہ بھی طے نہیں کیا تھا ـــــ
جو ان کے دل کو لگی ہوئی تھی اس سے سارا زمانہ بے خبر تھا۔
"بوجی منتیاں دیوان لوگاں نرگیس کیا کی میرے ہاتھے سر کے نیچے کو ایکلا گاؤں پو
بھیج دیئے آپ ـــــ اب اللہ خیر سے وہ آیا تو میں نئیں واپس جانے دیوں گی ـــــ" دولہن
پاشاہانات کو نواب شوکت سے بولیں؛
"میں آپ کی مرضی مگر کام سیکھتے رہتا تو اچھا تھا ـــــ" وہ تو خواہ مخواہ بہانہ سازی
کر رہے تھے ـــــ
"وئی تو میں بھی بول رئی تھی ـــــ چپ کا چپ بچے کے پیچھے پڑے رہتے ـــــ
اب دیکھو نا پندرہ دن کے اندر اندر وہ لڑکوں کے جیسا بات کرنا سیکھ گیا کی نئیں ـــــ چار
مردوں میں اٹھا بیٹھا تو آگیا محاورہ ـــــ آپ تو خود بچی عمر کا سمجھتے اس کو ـــــ" پھر وہ
ہنس کر بولیں؛
"آپ اس نے سیکھا بول کے سارے محل کے چھوکریاں کو مردانی بات چیت کرولیے
ـــــ اب کیا ہوا معلوم ـــــ بچیوں کے اسکول کے چھوکریاں تو چھوڑو، اپنے خاندان
کے بھی سارے لڑکیاں بالیاں مردوں لڑکوں کے وسیں اچ بات کرے رئیں، اصل میں اللہ
رکھو اپن چار پیسے سے خوش ہیں ـــــ پیسے والوں کی نقل تو سبھی کرنا فخر سمجھتے ـــــ میں تو
بولتیوں اب حیدرآباد میں، ہمیشہ کے واسطے یہ رواج نہ پڑ جاتے کی لڑکیاں لڑکوں اور
مرد بچوں کے وسیں باتاں کرلیتے بیٹھے کیوں کی بڑے بڑے خاندانے ہیں سو سب کی اپنی جان
پہچان ہے ـــــ اپنے بچیاں کو مردانی بات چیت کرتے دیکھ کر وہ سمجھیں گے، یہ اچھی بات
ہوئیں گی جبھی تو شوکت نواب اور دولہن پاشا اپنے بچیاں کو سکھائے ـــــ"
وہ ہنس ہنس کر سنائے جارہی تھیں لیکن آج نواب شوکت کو اس قدر اطمینان کی گہری

سانس لگی تھی کہ وہ خرخر کر رہے تھے ——— دُلہن پاشا ان کی نیند سے بے خبر خوشی خوشی پوچھ رہی تھیں : "ہو جی پندرہ دن کے بعد میرا بچہ آیا ——— خاندان والوں کی دعوت کرتے ——— اس کو مُرغِ مُسلّم بہوت پسند ہے، وہ بھی پکواتیوں کل . . . . . . اپنی بات کے جواب میں نہ ہوں سُنی نہ ہاں ——— جُھک کر دیکھا تو نواب صاحب بے سُدھ سو رہے تھے ———

"ای اُجاڑ ان پو تو جیسے نوبے سر سے جانی پرس رئی ——— میں بات لئے کر رئی ہور اُنوں خراٹوں پے خراٹے لیتے پڑئیں ———"

صبح ہی صبح دلہن پاشا نے پچاس مُرغوں کے ذبح کرنے کا انتظام کرنے موذن صاحب کو بُلوا بھیجا ——— ماماؤں کو تاکید ہوئی کہ سارے میوے گھی میں تل کر ان کے پیٹوں میں بھریں ——— بادام ثابت ڈالیں ——— پھر ان کا خیال آیا کہ میٹھے کے بارے میں کچھ طے نہیں ہوا ہے کہ کیا پکے گا خود ہی بیٹے سے پُوچھنے ان کے کمرے میں پہنچیں تو خالی کمرہ ان کی ہنسی اُڑانے لگا ———

"آپ کو میری یاد آئی ؟" نواب سرفراز نے بڑی آس سے اس سے پوچھا وہ مجبور رہے تھے کہ وہ بجھ بجھ جائے گی ——— کہنے لگی : "اور کیا آپ سمجھتے ہیں کہ صرف آپ ہی انگاروں پر سوتے ہیں ؟" لیکن اس نے ایک اداۓ بے نیازی سے انہیں دیکھا اور ذرا حیرت سے بولی :

"یاد ؟ کس بات پر اور کس لئے ؟" ان کا سارا جسم سُلگ گیا۔

"آپ کو میں اچھا نہیں لگتا ؟" وہ غصّے سے بولے۔

"اچھے تو لگتے ہیں ؟" وہ چڑانے کے انداز سے بولی : "لیکن اس کا یہ مطلب تو

نہیں کہ آپ کو جگنی بنا کر گلے میں لٹکا لوں ـــــ" اور وہ بن بات اپنے گورے گورے گلے میں پڑی جگنی کو جھلانے لگی ـــــ نواب سرفراز تلملا گئے۔ یہ کیسی عورت ہے؟ کسی بات سے نہیں پگھلتی ـــــ

"جی چاہتا ہے آپ کو کچا چبا جاؤں ـــــ"

"آپ میں یہ حیوانی صفات پیدا ہو رہی ہیں ـــــ آپ کو کسی ڈاکٹر یا حکیم سے رجوع کرنا چاہیئے ـــــ"

"مر گئے میرا علاج کرنے والے ـــــ" وہ جل کر بولے: "لوگاں بولتے عورتاں بہوت محبت کرنے والے ہوتے ـــــ آپ تو اس کے الٹ ہیں بالکل ـــــ"

"پہلے آپ مجھے براہِ کرم یہ بتا دیں کہ ہم دونوں جھگڑا کس بات پر کر رہے ہیں ـــــ" وہ معصومیت سے ہاتھ ہلا کر بولی:

"دیکھئے، آپ کے ان باتوں سے میرا دماغ اوندھا ہو جائیں گا ـــــ"

"تو ابھی تک آپ کو یہ مغالطہ تھا کہ آپ کا دماغ سیدھا رکھا ہوا ہے؟" اور وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"اچھا چلئے دوستی کر لیتے ہیں ـــــ آج صرف آپ کی خاطر گانا گاتے ہیں، آں!" جس لٹک سے، جس انداز سے وہ سر کو ایک طرف جھکا کے مسکراتے ہوئے "آں" کہتی تھی تو وہ انداز انہیں پاگل کر دیتا تھا۔

وہ آگے آگے، یہ پالتو بنے پیچھے پیچھے ـــــ وہ مسند پر جا کر بیٹھ گئی ـــــ ہارمونیم کو اپنے سامنے کھینچتی ہوئی بولی:

"ساز کے ساتھ یا یونہی ـــــ؟"

"آپ بنا ساز کے بھی بے حد سریلے ہیں ـــــ" وہ ترسے ہوئے لہجے میں بولے۔

"دیکھئے جناب میں مرد نہیں عورت ہوں ـــــ آپ کو مجھے اسی طرح مخاطب کرنا چاہیئے

یوں کہیئے : "بے حد سُرخ ہیں ۔ مجھے ـــــ !" پھر اُنہیں سیدھی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی : "مدرسہ عالیہ میں تعلیم حاصل کی ہے نا ؟ قاعدہ نہیں پڑھی آپ نے ۔ صیغہ مذکر صیغہ مؤنث ! آں ـــــ"

"آپ جو جو بھی کہیں گے ـــــ معاف کیجیے ۔ کہیں گی ، میں سب مانوں گا ۔ لیکن خدا کے واسطے آپ مجھ سے اچھی طرح رہا کیجیے ـــــ" اس نے کوئی جواب نہ دیا ، ہارمونیم کے پردوں کو آگے پیچھے کیا اور ایک شعر اُٹھایا :

ہم نے دِل سی چیز دے دی آپ کو
آپ کیا دیں گے سوائے دَردِ دِل

نواب سرفراز بے تاب سے ہو گئے ـــــ پہلو بدل بدل کر اُنہوں نے شعر سُنا ـــــ اچانک وہ رُک گئی ۔

"اونہوں ـــــ یہ نہیں کوئی دوسری چیز ـــــ" اور وہ شروع ہو گئی :

کس بات کی ہے حسن کی سرکار میں کمی
سب کچھ ہے ایک رحم نہیں اور کرم نہیں

یہ شعر نواب سرفراز کے حسبِ حال تھا ـــــ دِل کی ساری تڑپ چہرے پر کھنچ آئی ـــــ ایک دم وہ رُک گئی ـــــ "اونہوں کچھ جچا نہیں یہ بھی ـــــ" تھوڑی دیر وہ یونہی ساتوں سُر نکالتی رہی ـــــ پھر ہنس کر بولی : "یہ سُنئے ۔ شاید پسند آئے"

وہ اگر حیلہ کریں ، مدفن تک آنے کے لئے
ہاتھ نکلے ہیں جنازے سے بلانے کے لئے

"ذرا غور سے سُنئے گا حضور" :

شکل اچھی رنگ گورا بال لانبے چشم شوخ!
کس جگہ کی خاک لی تم نے بنانے کے لئے

"یہ تو آپ اپنی ہی تعریف کر رہی ہیں ـــــ" نواب سرفراز ترسے ہوئے لہجے میں بولے۔

وہ برجستہ بولی: "تعریف ہوتی ہے تو حقیقت کا اظہار بھی ہو جاتا ہے۔ سنئے:

چادرِ آبِ رواں بن کر لپٹ جاؤں گا میں
تم اگر اُتروگے دریا میں نہانے کے لئے

نواب سرفراز کا بدن سنسنا گیا ـــ انہوں نے کس کر اپنے دونوں ہاتھ سینے پر باندھ لئے: "دیکھئے آپ ظلم کر رہے ہیں ـــــ"

"کر رہی ہیں ـــــ" اس نے مسکرا کر تصحیح کی اور گاتی رہی:

یہ ادائیں یہ حجابیں یہ جوانی یہ ستم!
ڈھونڈھ لو مزدور کوئی بوجھ اٹھانے کے لئے

ہارمونیم روک کر ہنس کر بولی: "اپنے اپنے اندازِ نظر کی بات ہے۔ غالب نوحہ گر کے مقدور نہ ہونے کا ماتم ہی کرتے رہ گئے ـــــ یہ صاحب مشورہ دے رہے ہیں اور بُرا نہیں دے رہے ہیں کہ مزدور رکھ لیجئے ـــــ" پھر بڑے مزے سے ذرا جھک کر بولی "آپ کی کیا رائے ہے ـــــ؟"

"مجھے رکھ لیجئے ـــــ" وہ فقیروں کی طرح بولے۔

"رکھ تو لیتی لیکن..." وہ ناک چڑھا کر بولی: "آپ مجھ سے چھوٹے ہیں میں آپ سے بڑی ہوں ـــــ"

"اچھا آپ کی عمر کیا ہوگی ـــــ؟" وہ سنجیدگی سے پوچھ رہے تھے۔

"آپ بتایئے کیا ہوگی ـــــ؟" وہ مسکرا کر بولی۔

"بیس سال ـــــ" انہوں نے بے دھڑک کہا ـــــ وہ بے طرح ہنسنے لگی ـــــ ہنستے ہنستے اس کی آنکھوں سے پانی نکل آیا۔

"آپ اس طرح کیوں ہنس رہی ہیں؟" وہ پریشان سے ہو گئے۔
"میں اپنی کامیابی پر ہنس رہی ہوں ـــــ اس ایک لمحے کے لئے تو میں موت سے مہلت مانگ لوں گی ـــــ"

ذاکر خاں نواب سرفراز کو جب لینے آئے تو وہ سخت گڑبڑائے کہ کیا جواب دیں ـــــ پھر انہیں رازدار بنانا چاہا۔
"ذاکر چچا! مجھے کیوں بلایا ہے؟"
"بیٹے اب کب تک یہاں رہیے گا۔"
"بھجوایا کیوں تھا ـــــ؟" انہوں نے عجیب و غریب سوال کیا۔ بڑی دیر تک ذاکر خاں چپ رہے۔ پھر بولے۔
"بیٹے ـــــ ویسے طوائفیں بدنامِ زمانہ ہوتی ہیں لیکن ان کے ہاں محفل کے آداب تمیز، قاعدہ، اندازِ گفتگو، اٹھنے بیٹھنے کا جو سلیقہ ہوتا ہے وہ اپنی مثال آپ ہوتا ہے۔ ہر ایک کی بات میں نہیں کرتا، لیکن بعض تو اتنی مہذب ہوتی ہیں کہ شرفا اور امرا اپنے لڑکوں کو آدابِ محفل تو کیا آدابِ زندگی کہئے سکھانے ان کے ہاں بھجواتے ہیں۔ آپ اپنی مثال بھی یونہی سمجھ لیجئے۔"
"تو کیا مجھے آدابِ زندگی آ گئے؟" وہ ذرا تلخی سے بولے۔ ذاکر خاں انہیں غور سے دیکھتے رہے ـــــ یہ انداز کسی لڑکی کا نہیں تھا ایک مرد کا تھا جو اگر اپنی ہٹ پر آ جائے تو ٹھوکر سے طوفان اٹھا دے ـــــ ان کے دل میں خوشی کی ایک کرن چمکی۔ اپنی خوشی کو دبا کر بولے:
"آئے یا نہیں آئے، میں غریب آدمی کیا جانوں۔ لیکن بابا حضور نے بلایا ہے آپ کو چلنا تو چاہیے بیٹے ـــــ"

"لیکن میرا جی نہ چاہے تو؟" وہ تیزی سے بولے۔

"آداب زندگی اس عورت نے سکھاتے ہوں یا نہ سکھاتے ہوں، آداب گفتگو ضرور اتنے کم عرصے میں سکھا دیتے ہیں — کون کہہ سکتا ہے کہ یہ وہی لڑکا ہے جو آج سے کچھ دِن پہلے گھٹنوں سے سر تک نہیں اُٹھاتا تھا جس کی زبان تک نہیں کھلتی تھی، آج کیسے رواں دواں بہتے پانی کی سی گفتگو کر رہا ہے، ذاکر خاں نے دل میں سوچا۔

"آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا ذاکر چچا"۔

اُنہوں نے اس کی پیٹھ تھپکی: "اچھا بیٹا! آپ یہیں رہیے، میں نواب صاحب سے کہہ دوں گا کہ آپ ہارمونیم، طبلہ اور موسیقی سیکھنا چاہتے ہیں۔ ٹھیک ہے!"

"اوہ ذاکر چچا—" وہ اُچھل کر خوشی سے بولے "آپ واللہ میرے اصلی چچا ہیں—"

ذاکر خاں کے جانے کے بعد وہ خود ہی ان کے کمرے میں چلی آئی۔

"آپ کو واپسی کا بلاوا آیا تھا؟" انہوں نے اقرار کے طور پر سر ہلایا۔

"تو گئے کیوں نہیں؟" وہ مسکرائی۔

"یہاں دِل بہت لگتا ہے—"

"پھر دو دِن کیسے محل میں رہ گئے؟ وہ اُسے بے حد غور سے دیکھتے رہے، بڑی دیر بعد وہ بولے۔

"میں آپ سے کچھ لینا چاہتا تھا لیکن لینے کی ہمت نہیں پاتا تھا وہ میں نے محل میں حاصل کر لیا— جب ایک مرد ایسی سنگین سچائی کا اعتراف اپنی محبوبہ سے کرے تو ہر چند کہ یہ سچا نک سچائی محبوبہ کا دل پھیر بھی سکتی ہے لیکن سمجھو کہ مرد اپنی محبت میں سچا ہے۔ اس کو دِل پھر انہیں بلکہ وہ خوش ہوئی اتنی خوش کہ اس کا چہرہ جگمگا گیا۔ مسکرا کر بولی:

"اور پھر کبھی آپ اسے محبت کہیں گے ـــــ ؟"

"میں ... میں ... " وہ پھیک پڑے۔ "میں آپ کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ وہ اگلے جملے کی منتظر رہی۔" میں آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں ـــــ۔" لیکن وہ لڑکی ہی سر جھکائے سسکتے رہے۔

"آپ ہی بتایئے میں آپ کے لئے کیا کرسکتی ہوں؟" وہ سنجیدگی سے بولی، وہ خاموش اسے دیکھتے رہے ـــــ غالباً ابھی ان کی اتنی عمر نہیں تھی جو یہ سوچ سکتے کہ کسی عورت کو حاصل کرنے کی سب سے آسان راہ شادی ہے ـــــ وہ شاید جسم کے حصول کو طلاپ اور ساتھ سمجھ رہے تھے۔ اس معاملے میں بھی ان کا تجربہ بے حد کم عمر تھا ـــــ زیبون کا جسم ان کے اندر کے سرکش سیلاب کو بہا ضرور لے گیا تھا لیکن اس کے بعد اس کے ساتھ کی طلب یا چاہ نے انہیں بے کل نہیں کیا۔ عجیب بات یہ تھی کہ زیبون سے سیراب ہونے کے بعد تو نہیں اور شدت سے وہ باوقار عورت یاد آئی تھی جس کو وہ پالینا بھی چاہتے تھے اور چھونے کی ہمت بھی نہیں رکھتے تھے ـــــ جو سامنے بیٹھی انہی سے پوچھ رہی تھی: "آپ ہی بتایئے میں آپ کے لئے کیا کرسکتی ہوں"

انہوں نے بھی وہی سوال اس سے کر دیا۔

"آپ ہی بتایئے میں کیا کروں ـــــ ؟ میں ہر ہر لمحے آپ کے بارے میں سوچتا رہتا ہوں ـــــ"

"ابھی میرے ترکش میں ایک تیر، بڑا کاری تیر باقی ہے ـــــ جذبۂ رقابت بیدار کرنے والا تیر ـــــ اس تیر کی چبھن آپ کو سمجھائے گی کہ آپ کیا کریں" اس نے خاموشی سے سوچا ـــــ نواب سرفراز آس بھری نگاہوں سے دیکھتے رہے کہ یہ اب کچھ بولے، اب کچھ بولے ـــــ لیکن وہ انہیں بس دیکھا کی ـــــ

اگلے تین چار دنوں تک نواب سرفراز پاگلوں کی طرح اس کے قرب کی جستجو میں اس کے آگے پیچھے ہوتے رہے اور وہ ٹالتی رہی ـــــ صبح کی نماز کے لئے جگانے آتی بھی تو یونہی دور سے آواز دے دیتی اور چلی جاتی ـــــ اس کے بعد وہ پہلے ہی کی طرح ہنسنے بولنے لگی ـــــ اس کا اکثر وقت انہی کے کمرے میں گزرنے لگا ـــــ وہی پیاری پیاری ہنسی۔ وہی شرارت بھرا انہیں جلانے چڑانے والا انداز ـــــ وہی ننھی منی لڑائیاں جو انہیں وصل کا ہی انداز لگتیں ـــــ اس نے نواب سرفراز کو اس قدر خود پر مائل کر دالیا اور اپنے طور پر سمجھ لیا کہ وہ سوائے میرے کسی کی طرف نگاہ بھی نہیں اٹھائے گی ـــــ پندرہ دن اس طرح گزر گئے کہ اس نے انہیں اپنے بدن تو کیا ہاتھ تک کو چھونے کی اجازت نہیں دی ـــــ اجازت کا کیا سوال تھا ـــــ ان میں خود اتنی جسارت نہیں تھی۔ حد یہ کہ پندرہ دنوں بعد ڈاکٹر خاں ڈاکٹر صاحب کے کہنے اور نواب شوکت کے بھجوانے پر انہیں لینے آئے تو انہوں نے صاف کہلا دیا:

"میں بچہ نہیں ہوں کہ کسی کا ساتھ ڈھونڈوں ـــــ جب میرا جی چاہے گا، میں خود چلا آؤں گا ـــــ شہر میں قدم قدم پر تانگے، شکرام اور سواریاں موجود ہیں۔"

ڈاکٹر خاں ایک بے نام سی خوشی چہرے پر نہ آنے دینے میں ناکام رہے اور ان کا چہرہ خوشی سے دمک گیا ـــــ

"تو کیا بیٹے آپ کا دل بالکل ہی یہاں لگ گیا ـــــ محل کی یاد نہیں آتی ـــــ؟"

جواب میں نواب سرفراز نے انہیں صرف غصے سے گھور کر دیکھا ـــــ

اتنی محبت، اتنا التفات پیہم، اتنی توجہ اس نے نواب سرفراز کو دے دی کہ وہ اسے اپنی ہی چیز سمجھنے لگے ـــــ ایسے میں اچانک ایک روز اس نے محفل سجائی ـــــ بڑے دنوں بعد آج اس اہتمام سے محفل سجائی گئی تھی جو لوگ اس کے گانے اور رقص کے دلدادہ تھے۔

جب یہ دیکھتے تھے کہ آج کل اس نے مسند پر بیٹھنا چھوڑ دیا ہے تو وہ آنے سے کترانے لگے۔ ایسی ویسی لڑکیاں تو کہیں بھی میسّر آسکتی ہیں ——— آج اس نے خادموں کے ہاتھ رقعے لکھ لکھ کر اپنے پرانے قدردانوں کو مدعو کیا ———

آج ساری رات کا رَت جگا تھا۔ بڑا کمرہ بُقعۂ نور بنا ہوا تھا۔ یہاں سے وہاں تک ایک ایسی رنگینی چھائی ہوئی تھی کہ پلک جھپکانے تک کو جی نہ چاہتا ——— رات کے گیارہ بجے وہ طلوع ہوئی اور واقعی سورج کی طرح طلوع ہوئی ——— رات کی مناسبت سے تو چاند کی طرح طلوع ہونا تھا لیکن لباس ؟ گہرے نارنجی رنگ کی ہمرواں کام کی جھلملاتی ساڑھی، اسی رنگ کا بلاؤز ——— گورے گورے بازوؤں پر بازوبند ——— سر سے لے کر پاؤں تک پور پور زیور ——— مہندی ——— چھلّے ——— انگوٹھیاں ——— بچھوے ——— پاؤں زیب ——— کبوتر آنکھ کی پازیب ——— گلوبند ——— کرن پھول ——— جھُمکے ——— جھومر اور ناک میں وہی قاتل نتھنی ——— آج دُلہنوں کا سا نور اُس پر برس رہا تھا ———

اس کے آنے سے پہلے حاضرین کو مصروف اور مسرور رکھنے کی خاطر اینڈی بینڈی آوازوں سے کچھ لڑکیاں وزن سے گری ہوئی غزلیں اور بازاری قوالیاں گاتی بیٹھی تھیں جیسے ہی بڑے دالان سے موتیوں کا پردہ ہٹا کر وہ داخل ہوئی ——— سارے سازینے آوازہ ہو کر رہ گئے ——— ہر نگاہ اسی کی طرف اٹھی ہوئی تھی ——— کسی نے معنی خیز جملہ کہا :

"آج تو توبہ کو توڑ دینے کو جی چاہتا ہے ———" نواب سرفراز نے یہ جملہ سُنا اور غصّے سے اُن کا خون کھول گیا ——— اُنہیں دگنا غصّہ تو اُس وقت آیا جب خود اُس نے بھی یہ جملہ سُنا اور مسکرانے لگی۔

"اس قاتل کی عمر کا پتہ ہی نہیں چلتا ——— عمر تو رواں ندی ہوتی ہے۔ یہاں اس ساحرہ کے پاس آ کر تو وہ بھی بہنا بھول گئی ——— یہ بول بھی اس نے ہنس کر خوشی خوشی سُنے اور وہ مرشد مٹھیاں بھینچ کر رہ گئے ——— پہلے ایسی محفلوں میں وہ حاضرینِ محفل کے باوجود ساری توجہ انہی پر

دستے رہتی تھی ــــ پہلے کن انکھیوں سے دیکھتی لیکن یہ کبھی پھر بھی ہزار ہیروں پر بھاری ہوتی تھی لیکن آج تو جیسے اس کے حسابوں وہ اس محفل میں تھے ہی نہیں ـ

اور پھر جیسے ان کا پورا وجود دھڑ دھڑ مشعلوں میں سلگنے لگا ـ

حاضرین میں کچھ بے چینی سی ہوئی ــــ کسی بڑے نواب کی آمد آمد تھی ــــ لوگ گردنیں اونچی کر کر کے مڑ مڑ کر دیکھنے لگے ــــ پتہ چلا کہ لکھنؤ کے کوئی نواب، جو حیدرآباد کے نواب عظمت یار جنگ کے جگری دوست ہیں، تشریف لاتے ہیں ـ

انہیں دیکھتے ہی وہ بڑے تپاک سے اٹھی ــــ اپنی عادت کے برخلاف جھک جھک کر آداب، تسلیم، بندگی، کورنش، بیک وقت بجالائی اور نواب سرفراز کو اپنی سماعت پر شک ہونے لگا ــــ جب وہ نفیس اور باوقار عورت نواب اچھن مرزا سے مخاطب ہوئی ــــ

"اللہ نواب صاحب! کتنے دناں ہو گئے یہ سورج غریب خانے پو نئیں چمکا"

نواب اچھن خوش دلی سے ہنسنے لگے "مبارک ہو ــ مبارک ہو، غنچہ دہن، پری رولیں، اسی ایک دکھنی زبان کا نشہ تو تمہارے پاس کھینچ کھینچ لاتا ہے، ورنہ کہاں حیدرآباد اور کہاں لکھنؤ ــــ"

"اب حضور آپ باتاں نکو بناؤ ــ کیا میرے کو معلوم نئیں کی حضور کا دل اصل میں کس پو آیا وا ہے ــــ"

"قسم ہے پنجتن پاک کی ــــ جھوٹے کا مونہہ کالا، ہم تو صرف ایسی صورت کے دیوانے ہیں ــــ نہ ہوئی یہ صورت مجنوں کے زمانے میں ــــ لیلیٰ بے چاری تو نیلا تھوتھا پھانک لیتی ــــ"

نیلا تھوتھا کہیں سے میسر آجاتا تو سب سے پہلے اس وقت نواب سرفراز پھانک

لیئے کہ ایسی بے ہودہ باتوں کو سُن کر نہ صرف یہ کہ وہ خوش ہو رہی ہے بلکہ مزے لے لے کر مُسکرا مُسکرا کر اسی زبان میں باتیں کئے جا رہی ہے کہ جس زبان میں وہ ایسی باتیں کرتے تھے تو ٹوک ٹوک دیا کرتی تھی ـــــ مارے جلن، حسد اور رقابت کے انہیں محفل میں بیٹھنا دشوار ہو گیا ـــــ اگر ان کی محبت میں کھوٹ ہوتا تو نہ بھی اُن کے نام پر جوتا مار کر اسی وقت وہاں سے نکل کر اپنے محل کو چلے جاتے ـــــ لیکن یہ ایک مرد کی پہلی محبت تھی اور مرد اپنی پہلی محبت میں آدم کی طرح سچا ہوتا ہے جنہوں نے دُنیا میں خود کو تنہا پایا اور کسی ساتھی کی کھوج کی اور خدا نے انہیں انعام میں عورت دی ـــــ پہلی عورت۔ پہلی محبت! مشہور ہے کہ مرد بھونرے کی طرح ہرجائی ہوتا ہے ـــــ ہوتا ہوگا، لیکن بار بار محبت کرنے والا یہ ہرجائی پہلی محبت کے زخم کو ہمیشہ ہرا رکھتا ہے ـــــ کھرنج کھرنج کے پھر اسے ہرا کر لیتا ہے ـــــ اس زخم کو ہرا رکھ کے اسے جو کسک ملتی ہے، وہی اس پہلی محبت کی جان ہوتی ہے ـــــ وہ اپنی پہلی محبت کی اس کسک کو دل میں دبائے ساری رات انگاروں پر لوٹتے رہے ـــــ

آج وہ پتہ نہیں کس نشے میں تھی، بے حال ہوئی جا رہی تھی ـــــ آوازیں ان کے کانوں میں گرم گرم لاوے کی طرح ٹپک رہی تھیں ـــــ

"آج ہر ساز کو چھوٹ ہے ـــــ آج بے ترتیبی مباح ہے ـــــ ہر انداز روا ہے ـــــ سازندو آج تال کہروا خوب بجاؤ، اتنا کہ سامعین و حاضرین مست و بے خود ہو جائیں ـــــ اس کے بعد طبلے، ڈھولکی، دف، تاشے اور ساتھ میں سارنگی اور ہارمونیم کو تھکاؤ ـــــ میں ناچوں گی ـــــ آج گھنگرو نہ ٹوٹے تو کیا ناچ ہوا ـــــ"

وہ سُنتے رہے، خون پیتے رہے ـــــ محفل شباب پر آتی گئی ـــــ چاند اِدھر سے اُدھر سرکتا رہا ـــــ ان کی آنکھیں خون رنگ ہو گئیں ـــــ نیند کی جسارت نہ ہوئی کہ ایسی تپتی سنگلاخ زمین پر قدم رکھے ـــــ

یوں کہ جیسے کچھ ہُوا ہی نہ ہو ــــ وہ میرے سے آئی لیکن اس کی پازیب کی چھم چھم نے بتا دیا کہ وہ آ رہی ہے، وہ آ رہی ہے۔

بڑی متانت سے اُس نے پوچھا "محفل سے اُٹھ کر یوں چلے آئے تھے؟"

بڑا بوجھل سناٹا تھا ــــ وہ یونہی آنکھوں پر ہاتھ کا چھجّا بنائے لیٹے رہے۔ سانس کی دھونکنی لوہار کی دھونکنی بنی ہوئی تھی۔

"وہ اصل میں میرے بڑے پرانے گاہک ہیں۔" اس نے لفظ گاہک پر خاصا زور دیا ــــ" اور وہ وکٹی بولی سن کر بڑے خوش ہوتے ہیں ــــ مجھے تعلیم ہی ایسی دی گئی تھی کہ نواب اگر حیدرآباد کے ہوں تو دہلی اور لکھنؤ کی اُردو میں بات کروں اور باہر کے ہوں تو پرچانے کے لئے وکٹی اُردو میں ــــ میرے مُونہہ سے اچھی لگتی ہے نا؟"

وہاں ایک خاموشی ہی تھی سب کے جواب میں ــــ وہ یُونہی سناٹے ہوتے پڑے رہے۔

"بھئی میں تو طوائف ہوں ــــ میں کسی ایک کی بنوں کیسے؟ مجھے تو سبھی کو خوش رکھنا پڑتا ہے ــــ ویسے نواب اچھّن بڑے آدمی تو نہیں ہیں ــــ"

ایک دَم چیتے کی سی تیزی سے وہ اپنے بلند و بالا جسم کو لئے بستر سے کُودے ــــ عین مین اس کی آنکھوں کے سامنے آکر وہ اپنے پورے اونچے قد کے ساتھ کھڑے ہو گئے

"بتاؤ مجھ میں کیا نہیں ہے ــــ اُس مخنّث تھلے بُڈھے کو دیکھو جس کی توند اُسے چلنے نہیں دیتی اور مجھے دیکھو ــــ اُس زنخے کو دیکھو اور مجھے دیکھو ــــ اُس ہن من کرتی آواز کو سُنو اور میری آواز سُنو ــــ اگر تم محض دولت کی غلام نہیں ہو تو بتاؤ اُس بُڈھے کا اور مجھ جیسے جوان مرد کا کیا مقابلہ ہے، میں نے تو سدا لڑکیوں کے مُونہہ سے یہی سُنا ہے کہ عورت دولت نہیں مانگتی، تخت نہیں مانگتی، صرف مضبوط کسا دا مانگتی ہے جو اُس کی ہڈیوں تک کو چُر مُرا دے ــــ پھر تم جیسی جوان لڑکی اس بُڈھے پر کیسے ریجھی ــــ ہونہہ ہوا اس

کی تہہ میں دولت کارفرما ہے۔

"جی نہیں، آپ غلط سمجھے —— کوئی بھی عورت اور خاص طور پر مجھ جیسی عورت معاشرے میں، رہنے کا جینے کا تحفظ چاہتی ہے جو بنا شادی کے ممکن نہیں اور نواب اچھن مجھ سے شادی کرنا چاہتے ہیں ——"

وہ ایک ایک لفظ چباتے ہوئے آگے بڑھے۔

"نواب اچھن تم سے شادی کرنا چاہتے ہیں —— وہ غلیظ گندا اتھل تھلا بڈھا، جسے ایک لات ماروں تو سیدھا گندی پیٹھ میں جا کر گرے —— وہ تمہارا یہ خوب صورت صندل والا حنائی ہاتھ تھامے اور میں اُلّو کا پٹھا ہوں جو دیکھتا رہوں گا ——" انہوں نے تیزی سے اس کا نازک، انگوٹھیوں سے جگمگاتا ہوا ہاتھ اٹھا کر اپنے سینے سے لگا لیا "یہ ہاتھ میرا ہے —— میں اسے ... ..."

"نہیں نہیں ——" وہ چیخی "مجھے مت چھوئیے —— مجھے ہاتھ نہ لگائیے۔ یہ گناہ ہے، گناہِ کبیرہ ہے ——" وہ سانسوں سانس ہو گئی —— نواب سرفراز نے گھبرا کر اس کا ہاتھ چھوڑ دیا —— وہ آگے بڑھ کر مسہری پر بے دم سی ہو کر گر گئی۔ وہ نادم نادم سے اُسے دیکھتے رہے —— دیکھتے رہے۔ بڑی دیر بعد وہ آہستگی سے بولے:

"معاف کیجئے گا —— آج جذبات کی رو میں، میں حفظ و مراتب بھی بھول بیٹھا آپ کو تم کہہ گیا —— میں آپ سے معافی چاہتا ہوں اور آپ کو میں پسند نہیں ہوں تو صاف کہہ دیجئے، مجھے بُرا نہیں لگے گا —— لیکن اگر ذرا بھی کوئی بات میری پسند ہے تو میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ مجھ سے شادی کرنا پسند کریں گی؟"

ماہ و سال کے جانے کتنے لمحے اپنے دامن میں آنسو لئے آئے اور برس برس کر جل تھل ایک کر گئے —— اب نہ برسو —— اب نہ برسو خدا کے لئے —— اب میرا حوصلہ جواب دے گیا ہے —— اس نے اپنے دھڑکتے پھڑکتے دل کو قابو میں کیا اور بیاتال

سے بولی۔

"آپ میں ناپسند کرنے والی کوئی بات ہے ہی نہیں، لیکن آپ کے بزرگ لوگ ... ..."

وہ تیزی سے بولے: "اٹھارہ برس کے مرد پر زبردستی بھی تو نہیں کی جا سکتی لیکن مجھے امید ہے کہ کوئی میرے آڑے نہیں آئے گا ——"

"مائیں بڑی نرم دل ہوتی ہیں ——" وہ اندر سے کرچی کرچی ہوتی ہوئی بولی "تہہ در تہہ محبت ہی محبت —— لاکھ منہ سے بُرے بُرے بول بول لیں، اولاد کی کوئی بات نہیں ٹالتیں، لیکن باپ مرد ہوتے ہیں، سخت دل، اڑ جانے والے —— اگر آپ کے بابا حضور نہ مانے تو ——؟"

وہ خوشی سے بے حال ہوتے ہوئے بولے: "یہ میری ذمے داری ہے۔ آپ رامنی ہیں، مجھے دُنیا مل گئی ——"

"طوائف سے شادی کرنا بہت مشکل ہے —— آپ نہیں سمجھیں گے —— آپ ابھی نوعمر ہیں —— آپ نے زمانے کو نہیں پرکھا —— لوگ آپ پر انگلیاں اٹھائیں گے —— طرح طرح کی باتیں بنیں گی —— آپ یہ سب برداشت نہیں کر پائیں گے۔

"شاید دُنیا میں مجھ سے پہلے بھی کسی نے یہ جملہ دہرایا ہو لیکن میں تو اسے اپنے ہی دل کی آواز کہوں گا اور وہ آواز یہ ہے کہ اگر آپ مجھے نہ ملیں تو میں خود کو ختم ... ..."

ایک دم اس نے اپنا لرزتا کانپتا ہاتھ بڑھایا کہ ان کے ہونٹوں پر رکھ دے، لیکن خود ہی پیچھے ہٹا لیا ——

"اے خدا گواہ رہیو —— میں امانت میں خیانت کی مرتکب نہیں ہوئی۔" اسے خاموش اور سہما ہوا پا کر وہ کچھ اداس ہو گئے ——

"آپ یقین کریں میں آپ کو وہی عزت دوں گا جو محل میں امی حضور کو ملتی

رہی ہے ـــــ"

"مستحق تو میں اسی عزت کی تھی ـــــ" وہ زیرِ لب بولی جسے وہ سُن نہ پائے۔ اپنے چہرے سے مصنوعی سنجیدگی کو ظاہر کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے بولے "میں اٹھارہ سال کا ہوں لیکن دُکھی عمر کا لگتا ہوں اور ریاست کا سیاہ و سفید میرے خیال سے قدو قامت ہی کو دیکھنا چاہیئے ـــــ" وہ اپنی ہنسی کو نہ روک سکے ـــــ "آپ تو زیرِ نہ تہ بالکل بچی لگتی ہیں بچی ـــــ چاہوں تو ایک اُنگلی پر اُٹھا لوں آپ کو ـــــ" وہ شرارت سے جھکے، لیکن وہ دُور ہٹ گئی ـــــ

"میں طوائف ضرور رہی لیکن صرف ناچنے گانے والی ـــــ یہ دیکھئے نتھنی آج تک پڑی ہوئی ہے ـــــ آپ کو شاید یہ بات معلوم نہیں کہ کسی بھی طوائف کی ناک میں جب تک نتھنی ہے سمجھو وہ بکاؤ مال نہیں بنی ـــــ شادی تک صبر کر لیجئے نا ـــــ کیوں میری عاقبت خراب کرتے ہیں ـــــ"

وہ شرارت پر تُلے ہوئے تھے : "تو پھر کبھی شادی آج ہی کر لیجئے نا؟"

"آج تو خیر نہیں، لیکن اگلی جمعرات کے بارے میں کیا خیال ہے ـــــ؟" وہ سنجیدگی سے بولی۔

"جو آپ کی مرضی ـــــ"

"میری چند شرائط ہوں گی ـــــ"

"سر آنکھوں پر" وہ ہنسے : "کوئی خاص زیور یا کپڑے لتے کی ـــــ؟"

"نہیں ـــــ ایک تو یہ کہ جب آرسی مصحف ہوتا ہے اور دُلہن کا چہرہ لوگوں کو بتایا جاتا ہے، ویسے میرا چہرہ کسی کو نہیں بتایا جائے گا، دوسری یہ کہ رواج کے مطابق تو دُولہا کے ہاتھ میں تلوار ہوتی ہے لیکن آپ مجھے ایک چھوٹا سا خنجر لا کر دیں گے"

"منظور ہے سرکار ـــــ" وہ ہنسے "ویسے آپ خنجر کے بغیر بھی یہاں سے وہاں

تک قتلِ عام برپا کر سکتی ہیں ——" وہ کہہ گئی۔

"شادی سے پہلے کی رسمیں، رسمیں، مانجھ، سانچق، مہندی چالے —— کچھ بھی نہیں ہوگا —— شادی کے دن سُرخ کی بجائے میں سبز جوڑا پہنوں گی ——"

"یہ بات ذرا مشکل ہوگی حضور —— میں اپنے بابا اور امی کا اکلوتا بیٹا ہوں۔ وہ اپنے ارمان پھر اور کس طرح نکالیں گے —— سوچنے کی بات ہے —— رسمیں بھی نہیں سُرخ جوڑا بھی نہیں ——"

"آپ نہیں سمجھیں گے ——" وہ اُداسی سے بولی: "یہ بات کوئی راز تو رہے گی نہیں کہ آپ ایک طوائف کو بیاہنے جا رہے ہیں —— جتنی نگاہیں میرے چہرے پر پڑیں گی اتنے ہی تیر کلیجے کو چھیدیں گے —— آپ مجھ پر یہ ظلم روا رکھیں گے؟"

"چلیے جناب یہ بھی منظور —— اب فرمائیے ——"

"ہر ارمان بھری دُلہن کی طرح میرے بھی دل میں ارمانوں کی ایک ہری بھری فصل لہلہاتی رہی ہے —— لیکن میں کس کس ارمان کو گنواؤں گی —— بس ایک شرط اور ہے لیکن وہ عقد خوانی کے بعد، اپنی سسرال پہنچ کر بتاؤں گی ——"

"ہم وہ بھی مان لیں گے سرکار —— اور کچھ ——؟"

"اور یہ ... وہ اپنے ڈوبتے دل کو تھام کر بولی" اور یہ دُعا کہ خدا آپ کو میرا غم برداشت کرنے کی ہمت اور حوصلہ عطا فرمائے ——"

اکلوتے جوان بیٹے کی ضد کے آگے باپ کی کچھ نہ چلی —— طوائف سے شادی!! نہ خاندان میں کسی نے سُنی نہ دیکھی اور یہ نامراد، نالائق خود کرنے چلا ہے۔ بیچ میں ماں کو ڈالا ہے کم بخت نے کہ بابا حضور نے اگر منع کیا تو زہر کھا کر لوں گا —— زہر کی پڑیا ماں کو لا کر تھما بھی چکا ہے —— نواب شوکت کے محل سے برات نکل کر خچی تراق

کے رذیل اور ذلیل محلے میں جائے گی ــــ ہونہہ ــــ اور یہ بھی صاحبزادے کا اصرار ہے کہ "وہ" یگانہ مانے، اس کا دِل نہ دُکھے کہ جس عزت کی وہ مستحق تھی وہ نہ ملی ــــ شادی اسی شان و شوکت سے ہو جیسے کسی شریف زادی سے ہوتی اور سارے نواب، امیر، اُمراء اور رؤسا سبھی بَرات میں چلیں اور عقد خوانی میں شرکت کریں۔

کیا کیا خواری اس اولاد کے ہاتھوں دیکھنی بَھی ہے، اُوپر والا ہی جانے۔

ایک سے ایک خیالات نواب شوکت کے ذہن کو کچوکے دیتے ــــ ماں کی مرضی تو باپ کی مرضی میں پوشیدہ تھی ــــ وہی اگر راضی نہ تھے تو پھر فیل مچا کر کیا کر لیتیں ــــ کلیجے میں ساری کھٹک تو یہ پڑی ہوئی تھی کہ جوان اور اکلوتا لڑکا ہاتھ سے نہ نکل جائے ــــ بھلے سے رنڈی ہو، پاتر ہو، ناچن ہو، اتائن ہو، شادی ہو جائے ــــ کون سا نبھا کر دیں گے ــــ چار دن کھلونے کی طرح کھیلیں گے پھر تو اکھاڑے پر پھینکنے ہی والے ــــ تو کیوں بچے کا جی خراب کیا جائے ــــ لوگ غلط کہتے ہیں کہ پیری انسان کو جھکا دیتی ہے ــــ نہیں اولاد جھکاتی ہے ــــ!

ہفتہ بھر ہی تو شادی میں باقی رہ گیا تھا ــــ

پیسہ ندی کی طرح بہتا ہو تو آٹھ دن تو کیا آٹھ گھنٹے بھی جوڑ جاڑ کے لئے بہت ہیں ــــ شوکت محل میں لہر بہر ہو گئی ــــ

نواب بے قرار خود بھی خوشی سے بے حال مونہہ ہی مونہہ میں گنگنا گنگنا کر شادی کے انتظامات میں مصروف رہتے۔ ایک دن بڑی ترنگ میں آ کر گنگنا رہے تھے:

جن کے محلوں میں ہزاروں رنگ کے فانوس تھے
جھاڑ اُن کی قبر پر ہے اور نشاں کچھ بھی نہیں

کہ نواب شوکت نے سُن لیا ــــ اُن کا دِل دہل اُٹھا ــــ بیٹے کو پاس بُلا کر دھڑکتے دِل سے پوچھا:

"بیٹے یہ کیا گا رہے ہیں آپ ——" ایک بھولی بسری یاد نے ان کے چہرے کا رنگ اُڑا دیا تھا ——

"جی بابا حضور، محل میں دائی ماں کبھی کبھار یہ بول گنگناتی ہے، ہمیں اچھے لگتے تھے، زبان پر چڑھ گئے —— آپ کو پسند نہیں ——؟"

ان کے پھڑکتے پھڑپھڑاتے دل کو قرار سا مل گیا۔

"نہیں بیٹے، پسند ناپسند کی بات نہیں —— ہم سوچے پتہ نہیں کہاں سے آپ یہ منحوس شعر یاد کر لائے —— خوشی کے موقع پر ایسے غم گیں اشعار نہیں پڑھنا چاہئے —— جائیے اپنا کام کیجئے ——"

شادی سے پہلے آخری بار اس نے محفل سجائی —— نواب سرفراز محل واپس آ گئے تھے کہ شادی کا انتظام کرنا تھا —— لیکن روز ایک دو پھیرے لگا لیتے تھے —— اُن کی تڑپ میں روز بروز اضافہ ہی تھا۔ اُس دن وہ گئے تو وہ بولی:

"اب کہاں میں اور کہاں یہ محفلیں —— کون جانے قسمت کی آندھی کہاں اُڑا لے جائے —— آپ کی اجازت ہو تو آخری بار ایک محفل سجا لوں ——"

وہ اس کی اُداسی سے متاثر ہو کر بولے: "کمال کرتی ہیں آپ بھی —— شادی کے بعد بھی آپ کے شوق پر کوئی پابندی عائد نہیں کی جائے گی۔ اس کا آپ پورا اطمینان رکھیں ——" وہ ممنون نگاہوں سے انہیں دیکھتی ہوئی بولی۔

"آپ کی یہ محبت اور معصومیت ہی میری جان لے لے گی ——" اس کے چہرے کا حزن و ملال دیکھ کر وہ بھی اُداس سے ہو گئے —— رات آئی —— محفل سجی —— اُس نے ہارمونیم سنبھالا اور ایک دردناک طرز شروع کی ؎

شبِ فرقت کے جاگنے والے ؏ ایسے سوتے کہ پھر سحر نہ ہوئی

ایک بار ــــــ

دو بار ــــــ

تین بار ــــــ

بار بار یہی شعر وہ پڑھتی رہی اور سُننے والے سر دھنتے رہے ــــــ آخر وہ چونکی اور حاضرین سے معذرت خواہ ہوئی "پتہ نہیں اس شعر نے کیوں باندھ سا لیا تھا۔ بہرحال میں ایک غزل پیش کرتی ہوں ؎

قسمت اِدھر خلاف، دلِ بے قرار بھی
ہم سے پھری ہوئی ہے اُدھر چشمِ یار بھی

سیاہ لباس میں اس کا چہرہ غم واندوہ کی تصویر بنا ہوا تھا:

تنہا مرے، مزار پہ دَم بھر نہ جل سکی
مایوس ہو کے بجھ گئی شمعِ مزار بھی

کتنی ہی دیر یونہی ساز بجتا رہا ــــــ پھر اُس کی درد بھری آواز اُبھری ؎

لے جائے اُن کے در پہ اُڑا کر صبا کبھی
اس آرزو میں تھا مرا مُشتِ غبار بھی

وہی تکرار ــــــ

اس آرزو میں تھا مرا مُشتِ غبار بھی
رو رو کے سینچتی رہی سبزے کو قبر پر
کچھ میرے کام آ گئی شمعِ مزار بھی

اس نے تھک کر اپنا سر ہارمونیم پر ٹیکا دیا ــــــ ماحول میں صرف آواز کی گونج باقی رہ گئی ــــــ سُننے والے سر دُھنتے رہے اور نہ وہ اسی طرح سر جھکائے اپنے آپ کو ڈھونڈتی رہی ــــــ

مقررہ دن اور تاریخ پر ایک شان دار برات شوکت محل کے وسیع و عریض پھاٹک سے نکلی ـــــ اتنی لمبی برات کو نکلتے نکلتے بھی سب سواریوں کو گھنٹہ بھر تو لگ ہی گیا۔

جس کروفر کی برات تھی، پڑھاوا بھی ویسا ہی دھوم دھام کا تھا ـــــ کیوں نہ ہوتا، آخر نواب شوکت یار جنگ کے اکلوتے بیٹے کی دُلہن کا پڑھاوا تھا ـــــ جس جس سڑک سے بھی برات گزرتی حیدرآباد کے اُمرا کی شان اور روایت کے مطابق سارا جھم جھم کرتا پڑھاوا، مزدوروں کے سروں پر لدا ہوا ساتھ ساتھ چلتا ـــــ دیکھنے والوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگ گئے ـــــ کتنے ہی بے دعوتی برات کے ساتھ لگ گئے اور برات جب بھی مُراق پہنچی ہے تو تین گنا زیادہ لوگ ہوگئے ـــــ

بغیر کسی چاؤں، میاؤں، شور شرابے یا بدنامی کے خیریت کے ساتھ نکاح خوانی ہوگئی ـــــ دولہا میاں گھوڑے پر سوار ہو کر گئے تھے۔ لیکن واپسی میں دُلہن کو ساتھ بٹھانا تھا، اس لئے سجی سجائی بگھی میں لوٹے ـــــ ساری ہڑبازیوں، ریتوں، رسموں سے فارغ ہو کر دولہا دُلہن اپنے کمرے میں پہنچا دیے گئے تو محبت والے دولہا کو چہیتی دُلہن کی آخری شرط یاد تھی ـــــ گھونگھٹ اُٹھا کر پیار سے بولے ـــــ

"آپ نے کہا تھا نا ـــــ آخری شرط، سُسرال پہنچ کر کہوں گی ـــــ"

"جی ہاں مجھے یاد ہے ـــــ" وہ اُداس لہجے میں بولی : "آپ کا بے حد شکریہ! کہ میری بات کی لاج رکھی ـــــ وہ شرط ایسی کوئی خاص نہیں ـــــ بس یہ ہے کہ میں آپ کے بابا حضور کو سلام کرنا چاہتی ہوں ـــــ لیکن کوئی اور اس کمرے میں نہ رہے ـــــ"

وہ اس کا بے پناہ خوب صورت چہرہ دیکھ کر شرارت سے بولے :" بڑے میاں کی خیر نہیں آج ـــــ خدا رحم کرے ـــــ" پھر ہنس کر باہر جاتے جاتے بولے "ٹھہریئے میں ذرا انتظام کر کے آتا ہوں ـــــ اس وقت تو بابا حضور کے کمرے میں

ہجوم لگا ہو گا ـــــ نواب سرفراز جلد ہی واپس آ ئے ۔ اُسے اشارا کیا ـــــ آگے آگے نواب سرفراز پیچھے پیچھے وہ ـــــ کمرے کے دروازے پر زرک گریلیٹ کراس نے نواب سرفراز کو دیکھا جو ساری دُنیا کا پیار دو آنکھوں میں لئے ۔ اُسے اشاروں اشاروں میں جلدی واپس آنے کی تاکید کر رہے تھے ـــــ

اُس کا دل پھوٹ بہا، مگر وہ اپنے آپ کو سنبھال لے گئی ـــــ باہر سے میراثنیں کلیجہ کاٹنے والے بابل اور ودّاعیاں گا رہی تھیں ـــــ

وہ پاتھن کے بیچ میں مچل گئی ہستی میری آج
ایک گئی وہ ، ایک گئی یہ ، کاسے کہوں ری بات
پاس چلی موُں پی کے اپنے مِل تو ساری آج
بے ری سکھیو پھر نہ کہنا بھول گئی تھی بات
پاس چلی موُں پی کے اپنے ....

وہ دھیرے دھیرے قدم بڑھاتی کمرے میں داخل ہوئی ـــــ اپنے پیچھے اس نے دروازہ بند کر دیا ـــــ نواب شوکت نے ذرا حیرت سے اُس کی اس حرکت کو دیکھا ، بہر حال وہ وہیں شان دار صوفے پر بیٹھے اسے دھیرے دھیرے آگے بڑھتا دیکھتے رہے ۔

قریب آکر اس نے گھونگھٹ اٹھا دیا ـــــ

نواب شوکت تڑپ کر اُچھلے ـــــ

" حیا ـــــ تم ـــــ "

" ہاں میں ـــــ نواب شوکت یار جنگ ـــــ آپ تو بے گناہ ہیں ـــــ معصوم ہیں ـــــ گنہ گار اور مجرم تو میں ہوں ـــــ اور اسی لئے اپنی فردِ جرم میں خود ہی آپ کو سُناؤں گی ـــــ یہ ضرور ہے کہ جو کچھ کہوں گی سچ کہوں گی لیکن سچ کے سوا کچھ تلخ بھی کہوں گی ـــــ حوصلہ ہے سُننے کا ـــــ ؟ نواب شوکت تم نے آج سے اکیس سال پہلے میرا

خون کر دیا تھا ـــــ مجھے قتل کر دیا تھا ـــــ تم تو پڑھے لکھے گھرانے کے چشم و چراغ ہو قرآن شریف تم نے بھی با ترجمہ پڑھا ہوگا ـــــ اللہ ہی کا بنایا ہوا قانون ہے ـــــ قصاص ـــــ خون کا بدلہ خون ـــــ نواب شوکت دنیا کی نظروں میں تو میں زندہ ہی لیکن خدارا مجھے بتاؤ کہ تم نے مجھے کہاں قتل نہیں کیا ـــــ میری ہر آرزو، میرے ہر ارمان، میری ہر ہر امید کو تم نے قتل کیا ـــــ نہ "خون بہا" دیا نہ میرا کوئی تھا، جو "قصاص" کے قانون کا تم پر اطلاق کرتا ـــــ میں تو قتل ہو ہی چکی تھی ـــــ میری ننھی سی بچی بھی زندہ نہ رہی ـــــ ڈیڑھ سال کی ہو کر ہی چل بسی ـــــ تمہاری یاد۔ تمہاری نشانی، جسے شاید تم اپنا مان کر بھی نہ دیتے ـــــ جو میری زندگی کی سب سے خوب صورت حکایت تھی وہ بھی مجھے چھوڑ کر چل بسی تو سوچو میرے لئے دنیا میں کیا رہ گیا ہوگا جب کہ ماں کو میں خود ہی چھوڑ کر چلی گئی تھی کہ مجھ سے پیشہ نہ کروانا شروع کر دے، جبکہ میں یہ عہد کر چکی تھی کہ اب اس جسم کا ہر ہر رواں تمہاری امانت ہے۔ لیکن تم تو ایسے سوداگر نکلے کہ پھر اس امانت کو لینے بھی نہ لوٹے، لیکن خدا کی خدائی میں جو بھی شے موجود ہے، ہر اس شے کی قسم کھا سکتی ہوں کہ پھر اس دلِ تباہ سے کسی اور کا خیال تک نہ گزرا ـــــ بس تو بہت دور کی بات ہے ـــــ میری ماں نے جس طرح بلک بلک کر میرے فراق میں دم توڑا ہے نواب شوکت، اگر تم وہ تڑپ دیکھ لیتے تو ہر کراہ پر ایک ایک حج کا ثواب پاتے ـــــ میری ماں گنہ گار تھی شاید اسی لئے خدا نے اسے جنت بخش دی ہو ـــــ لیکن مجھے میرا گناہ تو بتاؤ ـــــ کیسے سونے کے قلم سے نصیب لکھا کر لائی تھی میں بھی ـــــ! تم نے جو ماہ و سال اپنی دلہن کی آغوش میں گزارے ہوں گے، اپنے کلکاریاں مارتے بچوں کے ساتھ ہنستے بولتے گزارے ہوں گے نواب شوکت ـــــ مت پوچھو، مت زخموں کے ٹانکے ادھیڑو ـــــ تم اٹھارہ سالوں کی بات کرتے ہو ـــــ میں تو ایک رات کا بھی حساب نہیں دے سکتی ـــــ ایک ایک کروٹ!

ایک ایک کروٹ، سو سو نشتر پہلو میں توڑ دیتی تھی ـــــ سوچتی تھی کہ تم اس وقت کیا کر رہے ہو گے ـــــ؟ کس طرح مسکرا رہے ہو گے ـــــ کس طرح سو رہے ہو گے ـــــ جب کہ میری بے خواب آنکھیں لہو روتی تھیں ـــــ تم مجھے لوٹ کر چلے گئے ـــــ تم نے کہا تھا تم مجھے سہارا دو گے ـــــ عورت کو ڈھانک کر رکھا جاتا ہے نا ـــــ تم نے مجھے ڈھانک کر رکھنے کا وعدہ کیا تھا، لیکن تم میری عزت کی سیپ سے آبدار موتی لے کر چلے جانے کے بعد تم نے سوچا ہو گا، اب اس میں کیا رہا ـــــ شادی کا وعدہ وعدہ ہی رہا ـــــ تمہارے وہ جملے میں کبھی نہ بھول پائی "یہ ہمارے خاندان میں کبھی نہیں ہوا کہ کسی طوائف کو گھر ڈال لیا ہو ـــــ آخر نام و نمود اور خاندانی شرافت بھی ایک چیز ہے ـــــ اور تمہارے چہرے پر لکھی ہوئی وہ نفرت جو میرے لئے تھی!! میں جو تمہیں دنیا میں سب سے زیادہ چاہتی تھی، یہ زہر میری نس نس میں اترتا رہا ـــــ پھر تمہارے جشنِ شادی میں بے حال ہو ہو کر ناچتی رہی کہ جسے دنیا میں سب سے زیادہ چاہتی تھی، اس کی خوشی کا جشن تھا ـــــ!! پھر زندگی میں ایک ہی دعا یاد رہ گئی کہ خدا تمہیں بیٹا دے ـــــ میرے لئے!

پھر پتہ چلا کہ تمہارے گھر ولی عہد پیدا ہوا ہے اور خدا کے انصاف کو مان گئی کہ یہ انعام بس میرے ہی لئے اتارا گیا ہے ـــــ اور ـــــ اس دن میں نے عہد کیا کہ میں اپنے بے گنہ خون کا بدلہ خون ہی سے لوں گی ـــــ قصاص! صاف سیدھی سی بات ہے ـــــ تم نے میرے ارمانوں کا خون کیا ـــــ میں نے تمہارے ارمانوں کا ـــــ ایک باپ کی سب سے بڑی تمنا، سب سے بڑا ارمان اس کی اولاد نرینہ ہوتی ہے ـــــ پانچ بیٹیوں میں اکلوتا بیٹا ـــــ وہ تمہیں کتنا پیارا نہ ہو گا۔ اس کا مجھے احساس تھا ـــــ میں تمہارے شب و روز سے بے خبر نہ رہی ـــــ میں نے دل ہی دل میں قصاص کا فیصلہ کیا اور اپنے آپ کو اس مرحلے کے لئے تیار کرتی رہی

—— کہ تم سے تمہارا بیٹا چھینوں گی —— یہ بڑا ہی مشکل اور صبر آزما مسئلہ تھا —— لیکن میں انتقام کی آگ میں جھلس رہی تھی ۔ سب کچھ کر گزرنے پر تیار تھی —— کیوں کہ تم نے مجھے طوائف ہونے کی وجہ ٹھکرایا تھا اور یہ ذلت میں کبھی نہ بھول سکی —— میں نے اپنے حسن اور جوانی کو محفوظ رکھنے کا فیصلہ کر لیا —— جانے کتنی زعفران اور دودھ میرے جسم میں حل ہو گیا —— صندل اور چنبیلی کی مالش نے مجھے سدا جوان رکھا —— ہم طوائفوں میں جسم ڈھل جانا بہت بُرا سمجھا جاتا ہے —— موٹا ہونا تو آمدنی بند ہونے کا پہلا قدم ہے —— کہتے ہیں جاپھل کے درخت کے نیچے بیٹھنے سے موٹاپا نہیں آتا اور نواب شوکت تم نے تو مجھے ایسے شجر کے سائے تلے بٹھا دیا تھا جس نے کبھی ٹھنڈی ہوا کا جھونکا تک مجھے نہ دیا —— ببول کی طرح کانٹے دار اور بے آب و گیاہ —— سدا بہار غموں کا شجر —— میں کہاں موٹی ہوتی —— ؟ بالوں نے البتہ تھوڑی سی بے وفائی کی ۔ لیکن میں نے مہندی سے رنگ رنگ کے انہیں سنہرا رنگ کیا ہے ۔ تاکہ میری جوانی کے ضامن بنے رہیں —— یہ اٹھارہ سال بڑے ہی بزدل اور تجھے نکلے —— دیکھو نا میرے قریب پھٹکنے تک کی انہوں نے ہمت نہ کی —— ورنہ یہ کیسے ممکن تھا کہ تمہارا —— میری عمر سے آدھا کم عمر بیٹا مجھ پر فدا ہو جاتا —— ؟ یہ کرب میں نے کیسے سہا ہے یہ نہ پوچھو —— پھر کبھی زندگی میں انگور کے خوشے دیکھنے کی ہمت نہ ہوئی کہ لگتا ہے کہ میرے دل میں بھی آبلوں کے ایسے ہی گچھے لٹک رہے ہوں گے —— تم نے تو مجھے کچھ بھی نہ دیا —— میں نے تمہیں وصال کی وہ مقدس رات ، سہاگ رات تحفے میں دے دی جو میرا سب سے قیمتی سرمایہ تھی —— تم تو جاناں وہ قرض بھی نہ اتار سکے —— اتنے بڑے نواب ! اتنی بڑی جائداد اور دل اتنا چھوٹا —— محبت کرنے والے تو اپنا آپ لٹا دیتے ہیں —— لیکن تم نے مجھ سے محبت کی ہی کب —— میری محبت کی چھوٹی سی مثال اور سن لو —— تم نے جب مجھے آخری ملاقات میں اشرفیوں سے

بھری تھیلی دی تھی تو یاد ہے میں نے وہ قبول کرلی تھی ـــــ میرا جذبۂ وفا دیکھو ـــــ میں نے سوچا تھا کہ اگر آج میں یہ اشرفیاں قبول کرلوں تو تم یقیناً یہ سوچ کر مطمئن ہو جاؤ گے۔ کہ ہوں رنڈی تھی نا ـــــ پیسے سے بہل گئی ـــــ محبت ہوتی تو دولت کو ٹھکرا کر جاتی ـــــ عزت کا خیال ہوتا تو تھیلی میرے مونہہ پر پھینک مارتی ـــــ میں نے سوچا اپنے محبوب کو اتنا سا قلق بھی کیوں دوں ـــــ؟ اور مجھے یقین ہے کہ تم اس کے بعد بالکل ہی مطمئن اور میری طرف سے غافل ہو گئے ہو گے۔ لیکن میں بتاؤں ـــــ وہ ساری اشرفیاں تو میں نے اسی وقت اپنے ہاتھوں سے یتیم خانوں میں بانٹ دی تھیں ـــــ البتہ آخری ملاقات کی صرف وہ نفرت سمیٹ کر دل میں محفوظ کرلی تھی جو محفوظ نہ کرتی تو کبھی انتقام نہ لے پاتی ـــــ عورت کی فطرت خدا بھی شاید ہی سمجھا ہو ـــــ ایک طرف تو تمہارے لئے دل میں پیار، ایثار اور وفا کا یہ جذبہ اور دوسری طرف تم سے انتقام لینے کی پوری تیاریاں ـــــ ایک موڑ پر زندگی میں بابا فاکر خان مل گئے ـــــ شرافت اور انسانیت کے مجسمے۔ وہ تمہارے اتنے دوست نہیں ہیں جتنے میرے خیر خواہ ـــــ لیکن میں نے ان سے کہہ دیا تھا کہ تم میری آتی جاتی سانس ہو۔ تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچے ـــــ راستے میں پٹاخہ چھڑوا کر، گھوڑوں کو بھڑکانے، اور تمہیں بچا کر میری توجہ اور چاہت حاصل کرلینا ـــــ یہ سب انہی کی صلاح تھی ـــــ تمہارے محل میں پہنچ کر مقصد صرف یہ تھا کہ تمہارے بیٹے کو میرے بدنام گھرانے تک لایا جاتے ـــــ یہ اتفاق تھا کہ تمہارا بیٹا عورتوں میں پل کر نسوانی طرزِ زندگی اختیار کر بیٹھا، یہ نہ بھی ہوتا تو بھی بابا نے پوری ذمہ داری لی تھی کہ وہ تمہارے بیٹے کو گمراہ کر کے میری راہ ہموار کریں گے، اور پھر تمہیں پتہ ہے کہ وہ کس طرح میرا دیوانہ بنا ـــــ لیکن میں نے اپنی شخصیت کے گرد اسے رعبِ حسن کہہ لو یا اندازِ دلربائی ـــــ ایسا حصار کھینچے رکھا کہ وہ کبھی اس سے آگے نہ بڑھ سکا ـــــ اور میں بڑھنے دیتی بھی کیسے؟ میں تو تمہیں زیر کرنا چاہتی تھی ـــــ

بس! . . . اور آج ساری دُنیا کے سامنے تمہاری ناک مَیں نے نیچی کردی —— طوائف بہو —— !!

آج مَیں نے بدلے چُکا لئے —— مُٹھ بھر زندگی باقی رہی ہے اب کِتنا سنبھال سکوں گی —— جب ہم چھوٹے تھے۔ امّاں محلّے کے بچّوں کے ساتھ عید گاہ بھجوایا کرتی تھیں —— ہم خوشی خوشی ایک ایک پائی کے شکر کے کھلونے لایا کرتے تھے —— مین مین عورت کی طرح بنی ہوئی مُورتیاں جو اندر سے کھوکھلی ہوتی تھیں، مگر اوپر سے بڑی خوب صُورت —— دھکّے سے ٹوٹ جاتی تھیں —— مَیں بھی ویسی ہی شکر کا کھلونا ہو گئی ہوں سمجھو —— اندر کچھ بھی نہیں ہے نواب شوکت —— اتنے دنوں اپنے آپ کو سنبھال کر رکھا ہے اب اور نہیں رکھ سکتی —— بہت تھک گئی ہوں ——

نواب شوکت اسی طرح ساکت و صامت، جیسے خواب میں مُبتلا تھے —— آنکھیں پھیلی ہوئی، ہونٹ نکلے ہوئے —— چہرہ ہونّق —— زندہ تھے مگر مُردے سے بدتر۔

"تم کہو گے بارہ سال کہاں چھُپی رہی اور اب کیوں بازار سجایا —— چودہ سال کا بن باس تمہارے بیٹے کے جوان ہونے کے انتظار میں کاٹا —— اور بازارِ حُسن اس لئے سجایا کہ جب وہ میرے بدنام محلّے میں آکر مجھ پر فِدا ہوتا اور شادی رچتی تو سارے حیدرآباد کو علم تو ہوتا —— میرے دِل کی آگ اس طرح کہاں ٹھنڈی ہو سکتی تھی کہ چُھپتے چھُپاتے شادی کر لیتی —— مجھے تو تمہیں خوار کرنا تھا —— اور مجھے اپنے عورت پن پر اتنا یقین تھا کہ عمر کے آدھوں آدھ فرق کے باوجود وہ میرا دیوانہ ہو جاتا —— امّاں نے جو لمبی لمبی نصیحتیں مجھے تمہیں باندھنے کے لئے کی تھیں وہ ساری مَیں نے تمہارے بیٹے پر آزمائیں بڑا ترس بھی آتا تھا کہ مَیں یہ کیا کر رہی ہوں —— لیکن میرا قصاص کیسے پُورا ہوتا —— کیسی زندگی اَب تک مَیں نے گزاری ہے شوکت نواب —— ؟ موت و حیات کے جھگڑے دوزخ و جنّت کی حقیقت، حشر کی فتنہ سامانیاں، ان سب کا اگر کوئی وجود ہے اور ان سب

سے بڑھ کر اگر کوئی خدا ہے، جو کہ یقیناً ہے ورنہ کوئی انسان تو کر　　ن کو اتنا مُسلسل کرب اور دُکھ نہیں دے سکتا ـــــ ہم حقیر بندے بس یہی کہہ کر صبر　کر جاتے ہیں کہ اللہ کی مصلحت ہو گی ـــــ لیکن حشر میں کبھی خدا سے سامنا ہُوا تو اتنا ضرور پُوچھوں گی کہ مجھے اتنا دُکھ دے کر آخر تجھے کیا ملا ـــــ؟ وہ اچانک پھُوٹ پھُوٹ کر رونے لگی۔ یہ کمبخت دل میرا ـــــ یہاں سے وہاں تک اس میں تیر ہی چُبھے ہُوئے ہیں کیا ـــــ؟ وہ پاگلوں کی طرح روتے روتے اچانک مُسکرانے اور پھر ہنسنے لگی۔ سب کچھ رائیگاں ہی گیا۔ سب کچھ!! دیکھو نا ـــــ جب تک تم سے بدلہ نہیں لیا تھا یہی سوچتی تھی بدلہ لوں گی ـــــ بدلہ لوں گی ـــــ اب جب کہ تمہارا مان توڑ چکی ہوں، پھر نامراد دِل میں وہی پچھتاوے کی آندھی ہے کہ کوئی اپنے ہی چہیتے کو دِل کے پاس کھڑا ہوں بھی ستایا کرتا ہے ـــــ؟ دیکھو نواب اتنا مجھ پر یقین رکھنا کہ میں تمہارے لئے ہی جی اور تمہارے لئے ہی مروں گی ـــــ قیامت کے دِن یہ آنکھیں خُدا کا دیدار نہ پائیں اگر تمہارے بعد انہوں نے کسی کو بھی بُری نظر سے دیکھا ہو ـــــ ہاں اداکاری کی بات اور ہے جو تمہارے بیٹے کے ساتھ کی۔ خُدا نے زِندگی کے ڈرامے میں مجھے کیسا دردناک رول دیا تھا ـــــ میری جان۔؟؟ اس کی آواز آنسوؤں سے بُری طرح رُندھ گئی ـــــ نواب شوکت اپنی جگہ پگھل سے گئے ـــــ وہ پیچھے ہٹی ـــــ "نہیں نواب نہیں، اب مجھے ہاتھ لگانے کا گُنہ نہ کرنا۔ ایک وفادار بیوی کے شوہر ہو ـــــ تمہاری وفاپرست ازدواجی زِندگی میں یہ داغ نہیں لگنا چاہیئے کہ شادی کے بعد کسی اور عورت سے بھی ملوّث رہے ـــــ کنواری جوانی کے گُنہ تو اللہ تعالیٰ بھی معاف کر دیا کرتا ہے ـــــ کم از کم مذہبی کتابوں میں یہی پڑھا ہے۔ اور دِل کو میں نے جھُوٹی سہی، تسکین تو دے لی ہے ـــــ اب اس ایک داغ کو رو رو کر اپنے حسابوں دھو لیا ہے تو پھر مجھے بھی کیوں گُنہ گار کرتے ہو ـــــ اتنا روئی ہُوں اور حیرت ہے کہ آنکھیں کیوں نہیں بہہ گئیں ـــــ لیکن آج بھی وہی جوت۔ وہی جگمگاہٹ

ہے، شاید میرا ورثے میں اپنے دُکھ اور اپنی جوت، دونوں میرے ہی لئے چھوڑ گئی تھیں۔
... ... "بولتے بولتے وہ تھک سی گئی تھی ـــــ تم سے پہلی ملاقات ہوئی تھی تو میں نے سبز جوڑا پہنا تھا ـــــ آج بھی میں نے سبز کپڑے ہی پہن رکھے ہیں ـــــ یادوں کی پُروائی چلتی ہے تو کیسے کیسے پھول کھلاتی چلتی ہے ـــــ ایک ایک کرکے ہر بات یاد آئی ہے ـــــ آج ہی نہیں روز ہی یاد کیا ہے میں نے اُن حسین ساعتوں کو ـــــ" وہ پھر رونے لگی ـــــ "اگر مسلمان نہ ہوتی اور دوسرے تیسرے جنم پر ایمان اور اعتبار ہوتا تو خدا سے دُعا کرتی کہ اے مالک انسان کا جنم دے نہ پرند چرند کا ـــــ جنم دیجیو تو اب کے مٹی کا جنم دیجیو کہ سدا تمہارے قدموں تلے بچھی رہوں ... ... تمہارے پیروں سے چمٹی رہوں" دروازے پر دستک ہوئی اور وہ چونکی: "میں نے اس جسم کا جو صرف تمہاری ہی امانت تھا۔ اور تمہاری ہی امانت رہا، ہر ہر خیانت سے بچایا ـــــ ایک بار ـــــ صرف ایک بار تمہارے بیٹے نے شدتِ جذبات سے میرا ہاتھ تھام لیا تھا ـــــ وہ ہاتھ میرے جسم کے لئے حرام ٹھیرا ـــــ تم گواہ رہنا ـــــ"

اور اس نے بجلی کی سی تیزی کے ساتھ اپنی کمر میں اُڑسا ہُوا ایک چھوٹا سا خنجر نکالا اور کلائی کے پاس سے پنجے کو گاجر کی طرح کاٹ کر رکھ دیا ـــــ اسی پھرتی سے خنجر سے اُس نے دِل کے پاس ایک گہرا شگاف لگا لیا ـــــ خون کا فوارہ سا اُچھلا ـــــ نواب شوکت آگے بڑھے، مگر وہ تیورا کر گری اور کراہی ـــــ "خودکشی کا گناہ ... ... ساتھ لے ... ... جا رہی ہوں ... ... مجھے چھوڑ کر میرے گناہوں میں مزید ... ... بوجھ نہ بڑھاؤ ـــــ کمزور جانے والوں کے ساتھ ... ... اتنا بھاری توشہ نہیں دیا کرتے ... ... میری ایک خواہش پوری کر دینا ـــــ جو تم ہی پوری ... ... کر سکتے تھے بس ـــــ! اور جس کا تم نے وعدہ بھی کیا تھا ـــــ تم شاید بھول گئے ہو ـــــ مجھے یاد ہے بس .....

مجھے اپنے ہاتھوں سے ڈھانک دینا ... ..."

جانے کتنے ماہ و سال آتے گئے گزرتے گئے۔ نواب شوکت وہیں ٹھٹھکے رہے — جب دروازے پر زور زور سے دستک ہونے لگی تو انہوں نے اس کا ہرا ہرا دوپٹہ کھینچ کر نکالا اور اسے سر سے پاؤں تک ڈھانک دیا —!

ہماری مطبوعات

ناقابلِ فراموش	دیوان سنگھ مفتوں	پنجرہ	امرتا پریتم
کارِ جہاں دراز ہے	قرۃ العین حیدر	انچاس دن	"
آشفتہ بیانی میری	رشید احمد صدیقی	رنگ کا پتہ	"
رسیدی ٹکٹ	امرتا پریتم	ایک تھی انیتا	"
پیغمبرانِ سخن	سردار جعفری	ڈاکٹر دیو	"
دلے صورتیں الٰہی	مالک رام	بلاوا	"
ساحر شخص و شاعر	نازصدیقی	دو ہاتھ	عصمت چغتائی
آگ کا دریا	قرۃ العین حیدر	بدن کی خوشبو	"
میتا ہرن	"	افسانے ڈرامے	"
ماں کی کمیتی	"	ایک لڑکی ایک جام	امرتا پریتم
آدمی کا مقدر	"	پھول کی تنہائی	کرشن چندر
ڈنگو	"	محبت کی رات	"
آلپس کے گیت	"	نئے غلام	"
تلاش	"	بلونت سنگھ کے افسانے	بلونت سنگھ
کٹاری	سعادت حسن منٹو	ٹھنڈا گوشت	سعادت حسن منٹو
ایک گدھے کی سرگزشت	کرشن چندر	انارکلی	"
الٹا درخت	"	کالی شلوار	"
دادر پل کے بچے	"	خالی بوتلیں خالی ڈبے	"
میری یادوں کے چنار	"	گنبد فرشتے	"
رات چور اور چاند	بلونت سنگھ	لاؤڈ سپیکر	"
چک پیراں کا جشن	"	نیچے اوپر اور درمیان	"
ناگ منی	امرتا پریتم	پت جھڑ کی آواز	قرۃ العین حیدر
یہ سچ ہے	"	فصلِ گل آئی یا اجل آئی	"

مکتبہ اُردو ادب